وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۳ شمارہ نمبر ۹ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ مارچ ۲۰۲۶ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmisl.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی لوہاری گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

وفاق المدارس العربیہ پاکستان؛ دینی تعلیم کی روشن روایت	کلمۃ المدیر	۳
استغفار و اذکار (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ)	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۵
ماہِ رمضان اور قرآن کریم کے درمیان مشترک خصوصیات	مولانا مفتی محمد نجیب قاسمی	۱۱
رمضان کا احترام اور ہماری کوتاہیاں	مولانا امداد الحق بخت یار	۱۵
حفظِ قرآن کی نعمت اور حفاظ کی ذمہ داریاں	مولانا محمد یاسر عبداللہ	۲۱
اہل مدارس کی خدمت میں چند گزارشات	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۵
بلوچستان میں امتحانی پرچوں کی جانچ پڑتال	حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب	۲۹
کامیاب امتحان کے انعقاد میں مثالی کردار	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۳۵
نتائج کی تیاری، تفتیش اوراق کی تکمیل	صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی	۴۴
بین الصوبائی تبادلے نظمِ وفاق کی مضبوطی اور علمی ہم آہنگی کا روشن باب	مولانا مفتی سمیع الرحمٰن	۴۸
زمزمہ خوانِ زبانِ عربی؛ مولانا حسین قاسم رحمہ اللہ	مولانا عبدالوہاب سلطان	۵۳
مطالعہ کی میز سے	محمد احمد حافظ	۶۱

﴿مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں﴾

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر-سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر-ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

كلمة المدير

وفاق المدارس العربیہ پاکستان؛ دینی تعلیم کی روشن روایت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

پاکستان کے دینی وعلمی منظرنامے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک ایسا نام ہے جو نہ صرف علمی وقار اور اعتماد کا مظہر ہے بلکہ امت مسلمہ کے علمی وروحانی سرمایہ کی حفاظت وترویج کا روشن چراغ بھی ہے۔ دہائیوں سے یہ ادارہ علمِ نبوت کی عظیم میراث کو محفوظ رکھ کر نئی نسلوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ وفاق المدارس محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں، بلکہ ایک جامع علمی وتربیتی کائنات ہے جہاں تعلیم، تحقیق، تربیت اور کردار سازی کا لازوال امتزاج ملتا ہے۔

وفاق المدارس کی سب سے بنیادی اور نمایاں خدمات میں ملک بھر کے ہزاروں مدارس کو ایک مربوط تعلیمی نظام کے تحت یکجا کرنا شامل ہے۔ اس ادارے نے درسِ نظامی کے نصاب کو منظم انداز میں ترتیب دیا، امتحانی نظام کو شفاف، معیاری اور معتبر بنایا، اور اسناد کے ذریعے حفاظ اور علماء کی علمی وفکری قابلیت کی توثیق کی۔ یہ سب اقدامات دینی تعلیم کو ایک مضبوط، منضبط اور باوقار ڈھانچے میں پرو کر ایک روشن علمی سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ وفاق المدارس کی یہ کوشش محض تکنیکی انتظام نہیں بلکہ ایک عظیم فکری وروحانی خدمت ہے، جس کی روشنی میں ہزاروں طلبہ علمی اور روحانی تربیت پا کر معاشرے کے لئے رہنمائی کے قابل بنے۔

وفاق المدارس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ علم وکردار کو یکجا کر کے آگے بڑھاتا ہے۔ مدارس میں طلبہ کو نہ صرف قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ انہیں تقویٰ، اخلاص، خدمتِ خلق، انصاف اور معاشرتی ذمہ داریوں کا شعور بھی دیا جاتا ہے۔ اس کی تعلیمات کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں نمودار ہوتے ہیں۔ یوں یہ ادارہ ایسے علماء اور داعیانِ دین تیار کرتا ہے جو معاشرت میں رہنمائی، اصلاح اور امن وعدل کے پیام کو عام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ طلبہ نہ صرف علمی مہارت میں فائق ہوتے ہیں بلکہ اخلاقی وروحانی تربیت کے آئینے بھی بنتے ہیں، جو معاشرے میں روشنی بکھیرتے ہیں۔

درسِ نظامی میں شامل کتب بی تفسیر، حدیث، اصولِ فقہ، نحو وصرف، بلاغت بی صدیوں کے علمی سرمایہ کی جھلکیاں ہیں۔ وفاق المدارس نے ان متون کو نصاب کا حصہ بنا کر محفوظ رکھنے کے ساتھ انہیں زندہ روایت کے طور پر نئی نسل کے لئے قابل استفادہ بنایا۔ علمی تسلسل کے یہ جواہر ہر دور کے تقاضوں کے مطابق مضبوط وبامعنی ہیں، اور ان کی روشنی

میں ہزاروں حفاظِ قرآن، محدثین اور فقہاء تربیت پا کر امت کی فکری و روحانی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس علمی سلسلے میں ہر کتاب، ہر حدیث اور ہر اصول ایک روشنی کا مینار ہے جو طالب علم کو نہ صرف علمی بلکہ روحانی سمت بھی فراہم کرتا ہے۔

افتاء، حدیث، فقہ اور دیگر تخصصات کے شعبوں میں وفاق المدارس نے ایسے ماہر علماء تیار کیے ہیں جو جدید مسائل کا حل ٹھیٹھ دینی اصولوں کی روشنی میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تحقیق، تجزیہ اور فکری توازن کے ذریعے یہ ادارہ امت کو ایسے رہنما فراہم کرتا ہے جو علمی اور روحانی اعتبار سے سنجیدہ، معتدل اور اہلِ علم ہوں۔ فارغ التحصیل علماء نہ صرف روایت کے امین ہوتے ہیں بلکہ عصری چیلنجز کا جواب دینے اور معاشرتی اصلاح کے لیے بصیرت وفہم رکھتے ہیں۔

قرآنِ کریم کے حفاظ کے لیے وفاق المدارس نے ایک مضبوط اور باقاعدہ نظام قائم کیا ہے۔ لاکھوں طلبہ کے حفظِ قرآن کی توثیق اور سند کا اجرا دراصل کتابِ الٰہی کی حفاظت اور امت کے علمی حصار کی مضبوطی کا عملی مظہر ہے۔ یہ نظام نہ صرف علمی معیار قائم رکھتا ہے بلکہ روحانی بقا اور امت کے اخلاقی استحکام کا ضامن بھی ہے۔ حفاظ کے اس تربیتی سلسلے میں ہر استاد اور ہر طالب علم ایک روشن چراغ کی مانند ہے جو قرآن کے نور کو زندہ رکھتا ہے۔

وفاق المدارس نے ہمیشہ امت کے اتحاد، علمی سنجیدگی اور اعتدال کی راہ اپنائی۔ یہ ادارہ دینی علوم کو محض محفوظ نہیں رکھتا بلکہ انہیں زندہ، متحرک اور معاشرتی رہنمائی کے قابل بھی بناتا ہے۔ ہر نصاب، ہر پروگرام اور ہر تربیتی عمل، امت کے علمی و روحانی روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ یہ ادارہ امت کی فکر، اس کے اخلاق، اور اس کے روحانی تشخص کے لیے ایک روشن مینار ہے۔

وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے مختلف خطوں میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ علمی قافلہ امت کو تعلیم و تربیت کے نئے معیار فراہم کرتا ہے اور پاکستان کے مثبت تشخص کو اجاگر کرتا ہے۔ ہر طالب علم، ہر حافظِ قرآن، اور ہر محدث ایک روشنی کا مینار ہے جو اسلام کی حقیقی روح یعنی امن، اخوت، عدل اور محبت ہی کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچاتا ہے۔

یقیناً وفاق المدارس العربیہ پاکستان محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں، بلکہ دینی علوم کی حفاظت، امت کی فکری و روحانی بقا، اور معاشرتی رہنمائی کا ایک مضبوط ستون ہے۔ یہ ادارہ اپنی روشن خدمات کے ذریعے پاکستان اور امتِ مسلمہ کے علمی و روحانی تشخص کو اجاگر کرتا ہے، اور اسلامی روایت کو محفوظ و متحرک رکھنے کی ایک تابناک مثال پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو ہر قسم کے شر و فتن سے محفوظ رکھے، اس کے اہلِ علم کو دین کی خدمت میں کامیابی عطا فرمائے، اور اسے علومِ نبوت کی تابناک روشنی کو نئی نسل تک پہنچانے کی توفیق دے۔ آمین۔

سلسلہ نوادرات اکابر

استغفار واذکار

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

جمع کردہ: مولانا سید رشید الدین حمیدی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد قدس اللہ سرہ العزیز کی وہ گراں قدر تقریر ہے جو آپ نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ ۲۶ اپریل ۱۹۵۷ء کو بانسکنڈی (ضلع کچھا صوبہ آسام) میں چند زیر تربیت مسترشدین کو خلافت واجازت بیعت عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ بانسکنڈی میں یہ آپ کی آخری تقریر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخری رخصت کے وقت ضروری وصیتیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائیو اور بزرگو! مجھے آپ حضرات کے سامنے چند باتیں عرض کرنی ہیں ان میں سے ہر ایک بات اس قدر تفصیل رکھتی ہے کہ جس کے بیان کے لئے بہت وقت چاہیے۔ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تفصیل سے عرض نہیں کرسکتا۔ ضعف نہ ہوتا تو میں ہر رات میں کچھ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا جیسا کہ سلہٹ میں عرض کرتا تھا۔

پہلی بات! میں آپ حضرات کی توجہ خدا کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ کی نعمتیں ہمیشہ تمام مخلوقات کی طرف متوجہ رہتی ہیں، مگر خصوصی طور پر انسان کی طرف بڑے پیمانہ پر متوجہ ہیں۔ ہر ایک انسان کو خدا کو یاد کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ خدا نے تمام مخلوقات کو جاندار ہوں، بے جان، مادی ہوں، غیر مادی، آسمانی ہوں یا ارضی، سب کو پیدا کیا اور وجود کی نعمت عطا فرمائی۔ ان سب پر فضیلت انسان کو دی: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ انسان کی فضیلت اور بڑائی کو چار قسموں کے بعد ذکر کیا گیا۔ انسان کی پیدائش تمام مخلوقات میں سب سے اچھی پیدائش ہے۔ یہ اللہ کا بڑے درجہ کا انعام ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں فرشتے، جنات، فلکیات، ارضیات سب ہیں۔ مگر سب سے اچھی مخلوق انسان کو قرار دیا اور اس کو اپنا خلیفہ بنایا حالانکہ سب سے زیادہ تقویٰ فرشتوں میں تھا۔ اور وہ خواہش بھی رکھتے تھے کہ ان کو جانشین بنایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ شرف صرف انسان کو عطا فرمایا اور اعلان فرمایا: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ مٹی سے بننے والا انسان جس کے اندر شر اور خیر دونوں داخل ہیں؛ اس کو جانشینی کا رُتبہ کیوں عطا کیا جاتا ہے؟ اور یہ شبہ کیا کہ اس کو کیوں خلافت کے عہدے سے سرفراز کیا گیا جو آپس میں شر وفساد مچاتا اور اپنے بھائیوں کو غارت کرتا ہے؟!۔ حالانکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہماری اصل نور سے ہے مگر اُن کے اس شبہ کا جواب جھڑک کر دیا گیا: اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اورحضرت آدم علیہ السلام کوساری چیزوں کاعلم عطا کیا گیا۔ پھر امتحان مقابلہ کرایا گیا اور پاس کیا گیا، فرشتے فیل ہو گئے۔ جب حضرت آدم علیہ السّلام کا پاس ہونا اور فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہو گیا تو پھر فرشتوں کوحکم دیا گیا کہ وہ آدم علیہ السلام کوسجدہ کریں۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور فوقیت ظاہر ہوگئی تو جس نے آپکی بڑائی اور فوقیت کاانکار کیااس کو وہاں سے نکلوادیا گیا اور مردود بارگاہ کیا گیا اور ہم لوگوں کواسی خلیفہ کی اولاد میں ہونا عطا فرمایا گیا جس کوتمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا

یہ کوئی معمولی انعام نہیں۔ اس میں ہم سب شریک ہیں خدا نے ہم سب کواس سے نوازا، اگر وہ ہم کو کیڑا مکوڑا بنادیتا، کتا بلی بنادیتا گدھا بنادیتا تو کیا ہمارااس پر کچھ زور تھا؟۔ مگر اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور اشرف المخلوقات بنایا اور جو تمام مخلوقات میں سجدہ کا مستحق تھا اور رب العٰلمین کی جانشینی کا مرتبہ رکھنے والا ہم کواس کی اولاد میں بنایا یہ اس کا بہت بڑاانعام ہے۔ اس نے ہم کواحسن تقویم والا انعام دیا۔ یہ توعمومی انعام ہے اور خصوصی انعام کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔ دیکھئے ماں کے پیٹ میں ہم کو ساری چیزیں عطا کیں۔ آنکھ دی، ناک کان دیئے، ہاتھ پیر دیئے، دل و دماغ دیئے، سر سے پیر تک ساری چیزیں عطا کیں۔ اگر وہ چاہتا تو ہم کو اندھا پیدا کرتا، لولا لنگڑا پیدا کرتا، اپاہج بنادیتا مگر اللہ نے ہم کوان تمام نعمتوں سے نوازا اور صحیح وتندرست پیدا کیا اور ایک ایک عضو میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کہ اگران کو کوئی گننا چاہے تو گن نہیں سکتا: وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا (الآیۃ) مگر انسان اس قدر نمک حرام ہے کہ اس کی دی ہوئی تمام چیزوں سے کام لیتا ہے مگر کسی وقت بھی چھوٹے منہ سے اس کا نام نہیں لیتا، اس کا احسان نہیں مانتا، اس کا شکرادا نہیں کرتا، اسی طرح اور بہت سے احسانات ہیں۔ سب سے بڑی چیز ہم کوایمان واسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ کروڑوں انسان دنیامیں ایسے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں مگر ہم اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔

پہلی ہر امت میں ایمان تھا اور وہ لوگ خواہش بھی کرتے تھے کہ کاش اُن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا گیا ہوتا۔ مگر خدا نے ہم پر یہ فضل کیا کہ اپنے تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ان شاء اللہ دنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی۔ مگر ہم اس کے شکریہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اس کی نعمتوں کو یادنہیں کرتے۔ جس قدر ممکن ہواُس کا احسان ماننے اور اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجئے: وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكُمۡ لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (الآیہ) یہ اعلان کیا گیا کہ اگر ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا رہوں گا۔ بڑی غفلت کی بات ہے کہ ہم اس کو اور اس کے احسانات کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہمارااس کو ہمیشہ یاد کرنا اور احسان ماننا اور اس کا ذکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے۔ اسی وجہ سے بعضے بزرگوں نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ روزانہ کسی وقت۔ بہتر ہے کہ عشاء کے بعد انسان پہلے اللہ کے

دیے ہوئے تمام انعامات کو یاد کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے یہ دیا، یہ دیا پھر اپنے تمام گناہوں کو یاد کرے اور اس پر اظہار شرمندگی کرے اور معافی مانگے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے سنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں زنگ لگ جاتا ہے تو میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ تو جب یہ حال نبی کے قلب کا ہے تو ہمارے اور تمہارے دلوں کا کیا حال ہوگا؟ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے کتنا زنگ لگتا ہوگا؟۔

تو میرے بھائیو! اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اُن کا شکریہ ادا کرو۔ اس کی اطاعت میں کوتاہی مت کرو۔ استغفار برابر کرتے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: یَا اَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (الآیہ) اللہ نے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو، ہم سب قرآن پڑھتے ہیں مگر اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ یہ ہماری انتہا درجہ کی نالائقی اور غفلت ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ جو کچھ پڑھا اور لکھا ہے اس پر عمل بھی ہو اور ہم میں جتنے لوگ ہیں خواہ ان میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، سب اس کا شکر ادا کریں، کیونکہ ہمارے اندر جو کچھ بھی ہے، وہ سب خدا کا ہے۔ اپنا کچھ نہیں، تو پھر جب سب کچھ اسی کا ہے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت مت کیجئے۔ آپ جتنا اس کو یاد کریں گے اتنا ہی وہ اپنی نعمتیں زیادہ کرے گا۔ سب سے پہلی بات یہ بہت ہی مختصر طریقہ پر ہے۔ اگر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو کئی ہفتے چاہییں۔

دوسری بات: یہ ہے کہ اللہ کا ذکر تمام عبادتوں کی جان اور مغز ہے۔ یہ بہت ہی عظیم الشان عبادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خیر اعمال فرمایا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب عملوں میں صاف اور عمدہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔ سب سے بڑا مرتبہ اللہ کے ذکر کا ہے، خدا کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے بھی بڑا مرتبہ اللہ کے ذکر کا ہے یہ بہت قوی روایت ہے۔ ذکر اللہ سب سے بڑے مرتبہ کو پہنچانے والا ہے۔ نماز کے اندر بڑائی خدا کے ذکر کی وجہ سے آتی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

سب سے بڑا، اللہ کے ذکر کو فرمایا گیا۔

تو بھائی اللہ کا ذکر بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے خواہ جسم ہو، روح سے ہو، قلب سے ہو، سانس سے ہو، خفی ہو، جلی ہو، کسی بھی صورت سے ہو اللہ کا ذکر بڑائی رکھتا ہو۔ ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہمیں سب سے مختصر عبادت بتلایئے کیونکہ اسلام میں عبادات بہت ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ زبان کو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تازہ رکھو تاکہ مرنے کے وقت زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔

تو میرے بھائیو! ذکر کسی بھی طریقہ سے ہو اللہ کو پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے میں اس کو فرشتوں کے مجمع میں یاد کرتا ہوں اور جب تک ہونٹ اس کی یاد میں ہلتے رہتے ہیں اللہ اس کا ہم نشین رہتا ہے۔ تو بھائی اللہ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے۔ جس طرح ہو سکے آواز سے ہو بغیر آواز کے ہو، دن کو ہو، رات کو ہو، سورج کے نکلنے کے وقت ہو، ڈوبتے وقت ہو، جس وقت بھی ہو اللہ کو بہت پسند ہے اور اس میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ اس کے لئے وضو بھی شرط نہیں۔ وضو ہو تب بھی ذکر کرتے رہو اور اگر غسل کی حاجت ہو تو بھی ذکر کر سکتے ہو، دن میں رات میں جب کبھی آپ کو موقع ملے اور فرصت ہو کھڑے ہوں، سو رہے ہوں، جاگ رہے ہوں کوئی سا بھی وقت ہو اس کے ذکر سے غافل مت ہو۔ فرمایا گیا: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ (الآیہ)

اور فرمایا گیا: یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا -

ذکر کی کوئی حد نہیں۔ نماز کا وقت مقرر ہے، حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ زکوٰۃ کی بھی حد مقرر ہے مگر ذکر کی کوئی حد نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے نزدیک کس کا مرتبہ زیادہ ہے تو آپ نے فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات -

اللہ کے نزدیک جو مرد اور عورت کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں وہ اونچے مرتبے والے ہوں گے اور فرمایا کہ کوئی چیز اتنا عذاب سے نجات دلانے والی نہیں جتنا کہ اللہ کا ذکر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جہاد عذاب آخرت سے نجات دلانے میں بہتر ہے یا اللہ کا ذکر؟ تو آپ نے فرمایا کہ ذکر اللہ جس قدر عذاب سے نجات دلانے کے لئے کافی ہے اتنا جہاد بھی نہیں، جو شخص جہاد کرتے کرتے زخموں سے بھر جائے یا لڑتے لڑتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے۔

تو میرے بھائیو! اگر ذکر سے غفلت ہو تو پھر وہ موت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ بھی ہے۔

اُندلس کو جب عیسائیوں نے فتح کیا اور اُس پر اُن کا قبضہ ہوا تو انہوں نے وہاں بہت سی قبریں دیکھیں جن پر کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا چھ مہینہ، کسی کی عمر کے بارے لکھا ہوا تھا ایک سال اور کسی کے بارے میں تین مہینہ تو یہ اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہیں تو یہ اتنی بڑی بڑی قبریں اور لکھا ہے یہ۔ تو انہوں نے اس کے بارے میں وہاں کے

لوگوں سے دریافت کیا تو یہ معلوم ہوا کہ تمام عمر انہوں نے لہو ولعب میں گزاری اوراخیر میں تین مہینے اللہ کے ذکر اور اُس کی یاد میں گزارے تو ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ بڑی قبر والا اللہ کے ذکر سے غافل تھا اخیر میں ایک سال ذکر کیا۔ اس واسطے بتلایا گیا کہ وہ ایک سال زندہ رہا۔

تو میرے بھائیو! امردہ کو کوئی گھر میں رکھنا گوارا نہیں کرتا اور زندہ خواہ کتنا ہی لاغر اور کمزور کیوں نہ ہو گیا ہو گھر سے نکالا نہیں جاتا۔ زندگی اسی کا نام ہے جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر کرو دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے پھر اللہ کے سامنے حاضر ہونا اور اس کو منھ دکھانا ہے آپ اس زندگی کو حقیقی زندگی عطا کیجئے یہ بہت بڑی نعمت ہے اور انتہائی ضروری چیز ہے۔

میں اس وقت تفصیل سے ذکر نہیں کرسکتا۔ مختصر طریقہ پر توجہ دلاتا ہوں۔ پہلی چیز جو میں نے کہی خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اُس نے آپ کو انسان اشرف المخلوقات بنایا اور اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا۔ دوسری چیز اللہ کا ذکر ہے جس طرح سے ہو اس کا ذکر ہمیشہ کیجئے یہ بہت ضروری چیز ہے۔

تیسری بات: یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی ہیں جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور انہوں نے اللہ کے ذکر میں ترقی کی اور اب اس لائق ہو گئے ہیں کہ ان کو اجازت دے دی جائے تا کہ دے دی جائے تا کہ وہ اور بھائیوں کو بھی اللہ کا نام بتلائیں، اسی کو اجازت کہا جاتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ جب ذکر میں مداومت اور تغیر پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اُس کو فوراً اجازت دیدیتے تھے۔ مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ اتنے اجازت نہ دیتے تھے یہاں تک کہ ذات مقدسہ کا مشاہدہ کرنے اور یادرکھنے کا ملکہ پیدا نہ ہو جائے کہ وہ بغیر ارادہ کے اللہ کا حضور رکھنے لگے اور ان تعبد ربك كانك تراه (الحدیث) کا درجہ حاصل ہو جائے جب تک ایسی صورت نہ ہوا جازت نہ دیتے تھے۔

بہر حال آپ بھائیوں میں سے چند اس کے اہل ہو گئے ہیں کہ اب ان کو اجازت دے دی جائے اگر کسی کو اجازت مل جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اُسے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تم سلوک کے اونچے درجہ میں پہنچ گئے ہو، اور اب تم کو ذکر وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں بلکہ تم کو ایک پختہ سڑک پر پہونچا دیا گیا ہے۔ یہ ایک شاہراہ ہے اس کے اوپر جب تک چلتے رہو گے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا رہے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب ہم کو ذکر کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر مغرور ہونا چاہیے اور نہ ناامید ہونا چاہیے، اس موقع پر حضرت نے فارسی کا یہ مشہور قطعہ بھی ارشاد فرمایا:

ایمن مشو کہ توسن مردان مرد را

درسنگلاخ بادیہ پیما بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ زندان بادہ خوار
ناگہ بہ یک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اس کے بعد ارشاد ہوا۔جن بھائیوں نے اس طرح کامیابی حاصل کی ہے اُن کو اجازت دی جاتی ہے۔اُن کو ہمیشہ ذکر پر مداومت اور ذاتِ مقدسہ کا مراقبہ کرتے رہنا چاہیے، غافل ہونا درست نہیں، ذکر کے بہت سے درجات ہیں اور ذات مقدسہ کے مراقبہ میں بہت سے درجات ہیں۔ذکر کے دوسرے معنیٰ سلوک کے ہیں اس کے دو درجے ہیں۔وصول اور قبول، وصول کے معنی ذاتِ مقدسہ کا مشاہدہ حاصل ہونا ہے اور قبول کے معنیٰ اللہ کے یہاں مقبول ہوجانا تو وصول صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں کبھی غیر مسلم بھی اس کو حاصل کر لیتے ہیں جیسے کوئی چور کمند لگا کر بادشاہ کے محل میں پہونچ جائے یا کوئی مجرم بادشاہ کے حضور میں لایا جائے۔ایک مرتبہ ایک جوگی جو کہ پہاڑوں میں رہتا تھا حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے پندرہ پندرہ کوس کی چیزیں نظر آتی ہیں مگر مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بغیر مسلمان ہوئے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔تو میں آپ کے پاس مسلمان ہونے کے لئے آیا ہوں۔حضرت نے اس کو مسلمان کر لیا تو یہ چیز مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

فراق ووصل چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے

دوسرا درجہ صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے وصول کے ساتھ ساتھ قبول کے درجہ کو بھی حاصل کرنا چاہیے۔متقدمین صوفیاء اخلاقی درستگی کو مقدم رکھتے تھے اس لئے بہت دیر لگتی تھی اور بسا اوقات اسی میں عمریں ختم ہوجاتی تھیں، وہ حضرات بالکل اخیر میں ذات مقدسہ کا مشاہدہ کراتے تھے اور جب تک ذکر میں اور دوسری چیزوں میں پختگی نہ آجائے اجازت نہ دیتے تھے اور اب متاخرین صوفیا نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ وصول کرادیا جاتا ہے اور یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ بداخلاقیاں دور کرو اور مغرور نہ بنو۔وغیرہ وغیرہ۔

وصول کے بعد اس کے حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔تو میرے بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن برائیوں کے دور کرنے کی تلقین فرمائی ہے اُن کو دور کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی صورت اختیار کرو۔معاملات میں، عبادات میں اور ہر ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔میں نے بہت مختصر طریقہ پر عرض کیا ہے آپ حضرات ہمیشہ سنت اور اہل سنت والجماعت کی اطاعت کریں اور اللہ پاک کی پکڑ سے ہر آن ڈرتے رہیں۔

ماہِ رمضان اور قرآن کریم

کے درمیان چند مشترک خصوصیات

مولانا مفتی محمد نجیب قاسمی

ماہِ رمضان کے روزے رکھنا ہر مسلمان، بالغ، عاقل، صحت مند، مقیم، مرد وعورت پر فرض ہے، جس کی ادائیگی کے ذریعہ خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور وہی تقویٰ کی بنیاد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' (البقرۃ: ۱۸۳)

''لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ'' میں اشارہ ہے کہ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روزہ کا بڑا اثر ہے۔ اسی ماہِ مبارک کی ایک بابرکت رات میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم سماء دنیا پر نازل ہوئی، جس سے استفادہ کی بنیادی شرط بھی تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کریم میں ہے:

''یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے متقیوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے۔''

غرض رمضان اور روزہ کے بنیادی مقاصد میں تقویٰ مشترک ہے۔

قرآن اور رمضان کی پہلی مشترک خصوصیت تقویٰ ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا۔

دوسری مشترک خصوصیت شفاعت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''روزہ اور قرآن کریم دونوں بندہ کے لیے شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ عرض کرتا ہے کہ: یا اللہ! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا، میری شفاعت قبول کر لیجئے، اور قرآن کہتا ہے کہ: یا اللہ! میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا، میری شفاعت قبول کر لیجئے، پس دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔'' (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)

تیسری خصوصیت جو رمضان اور قرآن دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ قربِ الٰہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی روزہ دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص

قرب حاصل ہوتا ہے کہ روزہ کے متعلق حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''میں خود ہی روزہ کا بدلہ ہوں۔''
مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے قرآن ورمضان کی صرف تین مشترک خصوصیات کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں:

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا دور کرانا، تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کرنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کا رمضان میں تلاوت کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور اس خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔ ماہِ رمضان کا قرآن کریم سے خاص تعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کا ماہِ رمضان میں نازل ہونا ہے۔ اس مبارک ماہ کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن مکمل نازل ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ تمام صحیفے بھی رمضان میں نازل ہوئے، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مصحف ابراہیمی اور تورات وانجیل سب کا نزول رمضان میں ہی ہوا ہے۔

سورۃ العلق کی ابتدائی چند آیات ''اِقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ....'' سے قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد آنے والی سورۃ القدر میں بیان کیا کہ: قرآن کریم رمضان کی بابرکت رات میں اترا ہے، جیسا کہ سورۃ الدخان میں ہے: ''إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ'' (الدخان: ۳) یعنی ''ہم نے اس کتاب کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔'' اور سورۃ البقرہ میں ہے: ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ'' (البقرۃ: ۱۸۵) یعنی ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔'' ان آیات میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ غرض قرآن وحدیث میں واضح دلائل ہونے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر رمضان کی مبارک رات میں ہی نازل ہوا، اس طرح رمضان اور قرآن کریم کا خاص تعلق روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔

رمضان المبارک کا قرآن کریم کے ساتھ خاص تعلق کا مظہر نمازِ تراویح بھی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کا دور کرتے تھے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ (بخاری ومسلم) نمازِ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع فرمائی اور مسجد میں باجماعت اس کو ادا بھی فرمایا، لیکن

اس خیال سے اس کو ترک کر دیا کہ کہیں اُمت پر واجب نہ ہو جائے اور پھر اُمت کے لیے اس کو ادا کرنے میں مشقت ہو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نمازِ تراویح پڑھی، لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے، تیسری یا چوتھی رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ: میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (مسلم۔الترغیب فی صلاۃ التراویح) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامِ رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے، لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ: جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداء عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔الترغیب فی صلاۃ التراویح)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی اور انفرادی طور پر نمازِ تراویح پڑھی جاتی تھی۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں یقینا تبدیلی ہوئی، اس تبدیلی کی وضاحت محدثین، فقہاء اور علماء کرام نے فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے پورے رمضان باجماعت نمازِ تراویح شروع ہوئی، نیز قرآن کریم ختم کرنے اور رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجدِ نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی شیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی: ۱۹۹۹) نے نمازِ تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک کتاب ’’التراویح أکثر من ألف عام في المسجد النبوي‘‘ تحریر کی ہے جو اس موضوع کے لیے بے حد مفید ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف واکابرین کے متعلق کتابوں میں تحریر ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوتِ قرآن میں دن ورات کا وافر حصہ صرف کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب ’’مؤطا مالک‘‘ تحریر فرمائی ہے، جو مشہور فقیہ ہونے کے ساتھ ایک بڑے محدث بھی ہیں،

لیکن رمضان شروع ہونے پر حدیث پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ کو بند کر کے دن ورات کا اکثر حصہ تلاوتِ قرآن میں لگاتے تھے۔ اسلاف سے منقول ہے کہ وہ ماہِ رمضان اور خاص کر آخری عشرہ میں تین دن یا ایک دن میں قرآن کریم مکمل فرماتے تھے۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں ختم قرآن کریم کے اتنے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس مبارک مہینہ میں زیادہ سے زیادہ اپنا وقت قرآن کریم کی تلاوت میں لگائیں۔ نمازِ تراویح کے پڑھنے کا اہتمام کریں اور اگر تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کیا جائے تو بہت بہتر و افضل ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کا دور کرتے تھے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار قرآن کریم کا دور فرمایا۔ ماہِ رمضان کے بعد بھی تلاوتِ قرآن کا روزانہ اہتمام کریں، نیز علماء کرام کی سرپرستی میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں وارد احکام ومسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر ہم قرآن کریم کے معنی ومفہوم نہیں سمجھ پارہے ہیں تب بھی ہمیں تلاوت کرنا چاہیے، کیونکہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ایک حرف قرآن کریم کا پڑھے، اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الٓمٓ'' ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔ (ترمذی)

تلاوتِ قرآن کے کچھ آداب ہیں جن کا تلاوت کے وقت خاص خیال رکھا جائے، تاکہ ہم عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنیں۔ تلاوت چونکہ ایک عبادت ہے، لہٰذا ریا وشہرت کے بجائے اس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ومقصود ہو، نیز وضو وطہارت کی حالت میں ادب واحترام کے ساتھ اللہ کے کلام کی تلاوت کریں۔ تیسرا اہم ادب یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور اچھی آواز میں تجوید کے قواعد کے مطابق تلاوت کریں۔ تلاوتِ قرآن کے وقت اگر آیتوں کے معانی پر غور وفکر کر کے پڑھیں تو بہت ہی بہتر ہے۔ قرآن کریم کے احکام ومسائل پر خود بھی عمل کریں اور اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے تقویٰ والی زندگی گزارنے والا بنائے اور ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔ آمین!۔

رمضان کا احترام اور ہماری کوتاہیاں

مولانا امداد الحق بخت یار

اللہ نے اس کائنات میں جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں، ان میں سب سے افضل واشرف انسان کو بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انسان سے بہت محبت رکھتا ہے، وقفہ وقفہ سے ایسے مواقع انسان کو دیتا ہے، جس سے یہ اللہ سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکے، اس کی رحمتوں کو سمیٹ سکے اور نعمتوں کا مستحق ہو سکے، اپنی کوتاہیوں کو معاف کرا سکے اور اپنے نامہ اعمال کو پاک وصاف کرا سکے، رمضان المبارک کا مہینہ ان تمام مواقع میں سب سے اعلی حیثیت رکھتا ہے، صرف اس ایک مہینہ میں اللہ تعالی مختلف انداز سے رحمتوں کی برسات کرتا ہے، کبھی سحر کے ثواب کے اعتبار سے، تو کبھی افطار کی فضیلت کے نام پر، کبھی روزوں کے انعام کی شکل میں، تو کبھی تراویح کے اجر کے طور پر، کبھی فرائض کا ثواب ستر گنا بڑھا کر، تو کبھی نوافل کو فرائض کی حیثیت عطا کر کے، کبھی سحر وافطار کے وقت دعا کی قبولیت کا مژدہ سنا کر، تو کبھی ہزاروں کی تعداد میں جہنم سے رہائی کا پروانہ تھما کر، اللہ تعالی کے یہاں رمضان کا کتنا بڑا مقام ومرتبہ ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگانا مشکل نہ ہوگا کہ اس نے اپنے کلام کے نزول کے لیے اسی ماہ کا انتخاب کیا، اس مہینہ کے انتظار میں ایک سال قبل سے ہی جنت کو آنے والے رمضان کے استقبال میں سجانا شروع کر دیا جاتا ہے، نیز اس ماہ کی خوشی اور شادیانے کے طور پر جنت اپنے تمام دروازوں کے ساتھ کھول دی جاتی ہے۔ جب یہ مہینہ آتا ہے تو نہ صرف زمین پر رہنے والے انسانوں کے ماحول میں ایک خوش گوار تبدیلی واقع ہوتی ہے؛ بلکہ آسمان پر بھی اہتمام واحترام اور خوشی ومسرت کا عالم ہوتا ہے، فرشتوں اور جنت کے مکینوں کے درمیان اس مبارک مہینہ کی وجہ سے خوشیوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اس مقدس اور بابرکت مہینہ کے پیش نظر سرکش شیاطین کو قید کر لیا جاتا ہے، اسی ماہ کی تیاری کے طور پر جہنم کے تمام دروازے پورے مہینہ کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں۔

اس طرح ایک پاک وصاف ماحول انسان کو فراہم کیا جاتا ہے؛ تا کہ وہ اس ایک مہینہ میں اپنے مقصد کے حوالے سے ان سب کی تلافی کر سکے، جو گیارہ مہینہ میں چھوٹ گئی ہیں، وہ سب حاصل کر سکے جو وہ چاہتا ہے، اپنے بنانے والے کی بارگاہ اور اس کی نظروں میں قربت کا مقام بلند حاصل کر سکے اور دنیا میں آنے کے اپنے مقصد کو بڑی حد تک حاصل کر سکے۔

رسول اللہ کے یہاں رمضان کا اہتمام اور احترام:

رمضان المبارک کا مہینہ آنے سے پہلے ہی رسول اللہ...... کے یہاں اس کے استقبال کی تیاریاں اس طرح ہوتیں کہ آپ شعبان کے تقریباً پورے مہینہ کے روزے رکھتے؛ تاکہ رمضان کے روزوں کا لطف زیادہ سے زیادہ حاصل ہو، آپ...... صحابہ کو خوش خبری سناتے کہ ایک مبارک مہینہ آنے والا ہے، پھر اس کے فضائل ومناقب بیان فرماتے، اس کے فوائد ومنافع سے آگاہ فرماتے، اس میں غفلت اور سستی نہ برتنے کی وصیت فرماتے، اس سے محروم رہنے والے لوگوں پر افسوس کا اظہار فرماتے۔

خود کا یہ عالم ہوتا کہ آپ کی تلاوت میں اضافہ ہو جاتا؛ حتی کہ جبرئیل امین کے ساتھ قرآن کا دور ہوتا، آپ کی نمازوں کی کیفیت بدل جاتی، آپ کی سخاوت ہوا کی رفتار سے چلتی اور دریا کی رفتار سے بہتی، کبھی پورے مہینہ کے لیے مسجد میں معتکف ہو جاتے، کبھی بیس (20) دن کے لیے، اخیر عشرہ کا اعتکاف تو آپ نے پوری زندگی بڑے اہتمام سے کیا ہے۔

رمضان المبارک میں آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا، زیادہ سے زیادہ عبادت، تلاوت اور دوسرے کار خیر کی فکر ہمیشہ آپ کے قلب ودماغ پر چھائی رہتی، دعاؤں کا اہتمام بڑھ جاتا، راحت وآرام اور بستر کو الوداع کہہ دیا جاتا۔ آپ......کا رمضان عبادت وریاضت کا ایک مثالی مہینہ ہوتا تھا۔

رحمتوں کی خدائی بارش اور شیطانی چھتریاں:

ایک طرف تو رمضان کا یہ اہتمام واحترام اللہ اور اس کے رسول کے یہاں ہمیں ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر گھڑی اہم ہے، ہر ساعت قیمتی ہے، الگ الگ نام اور انداز سے اللہ کی رحمتیں دنیا والوں پر نازل ہوتی ہیں، ہر لمحہ ایسا ہے، جس کا بے صبری سے انتظار کیا جانا چاہیے اور بھرپور طور پر اس میں موجود بشارتوں اور انعامات کو حاصل کرنے کی جان توڑ کوشش کرنی چاہیے، حتیٰ کہ انسانوں میں اس تعلق سے مسابقے کا جذبہ ہونا چاہیے، ایک دوسرے سے آگے نکل کر زیادہ سے زیادہ اور اچھی سے اچھی عبادت کرنے کے جذبات ہونے چاہیے؛ لیکن افسوس کہ سوائے ایک چھوٹی سی جماعت کے اکثر لوگ نہ صرف یہ کہ ان قیمتی اوقات سے غافل رہتے ہیں؛ بلکہ بعض تو ایسے مبارک لمحات میں بھی نفس اور نفسانی خواہشات کی قید وبند میں جکڑے رہتے ہیں، اپنے آس پاس ایسا ماحول بناتے ہیں کہ کوئی نیکی، کوئی سعادت مندی اور کوئی ثواب ان تک پہنچ بھی نہ سکے؛ چنانچہ وہ رمضان المبارک میں بھی اپنی بری عادتوں اور اپنے غلط معمول سے باز نہیں آتے، گویا ان کا شیطانی نفس اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے آگے اپنی نفسانی

اور شیطانی چھتری تان کر کھڑا ہوجاتا ہے کہ کہیں کوئی رحمت اس پر پڑ نہ جائے۔معاذ اللہ!

موبائل اور ٹی وی کا اثر رمضان پر:

چنانچہ مرد وخواتین، نوجوان بچے اور بچیوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے، جو رمضان کے مقدس اوقات بھی ٹی وی یا موبائل کی نذر کردیتے ہیں، اسلامی نام کے بہت سے چینل خاص رمضان میں شروع ہوتے ہیں، جن پر رمضان کی مناسبت سے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، ایک اچھی خاصی تعداد ایسے پروگرام بھی دیکھتی ہے، نیز بعض تو سیریل کی زنجیر میں ایسے پھنسے رہتے ہیں کہ ایک کے بعد دوسرے اپی سوڈ (Episode) کو دیکھنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے کہ رمضان کے مبارک مہینہ میں بھی موبائل کی لت ان سے نہیں چھوٹتی، وہ کبھی فیس بک پر رہتے ہیں، کبھی واٹس ایپ میں، کبھی ٹویٹر پر، تو کبھی انسٹا گرام پر، نیز کبھی ویڈیو گیم کھیلنے، تو کبھی ریل کا مشاہدہ کرنے میں وقت گزارتے ہیں، اس طرح وہ رمضان کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں اور بجائے سعادت اور نیکی کے اپنے حصہ میں بدبختی، بدنصیبی اور محرومی جمع کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے تعلق سے رسول اللہ...... نے فرمایا: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں، جنہیں بھوک کی شدت کے سوا روزہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:121)

رمضان پر تجارت کا اثر:

ہمارے بہت سے مسلمان تاجر ایسے ہیں، جن کی تجارت رمضان المبارک میں بہت چلتی ہے، جیسے کپڑے والے، جوتے چپل والے، فروٹ والے اور درزی وغیرہ، حتی کہ بعض کے لیے تو یہ سالانہ سیزن ہوتا ہے، وہ اپنی سالانہ آمدنی کا بڑا حصہ اسی مہینہ میں کماتے ہیں؛ لہٰذا ان کی توجہ رمضان کی عبادتوں سے زیادہ اپنی تجارت کے فروغ اور زیادہ سے زیادہ تجارت کرنے پر رہتی ہے، حتی کہ بعض تو ایسے بھی ہیں جو اپنے کاروبار کے چکر میں تراویح نہیں پڑھتے، بعض نوافل کا اہتمام نہیں کرتے، بعض قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے یا بہت معمولی کرتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں کہ وہ روزہ سے بھی محروم رہ جاتے ہیں، اللہ اکبر! یہ کیسی محرومی کی بات ہے کہ رمضان جیسا متبرک مہینہ ایک مسلمان بغیر روزے کے گزارے! آخر ایک ایمان والا اس کی ہمت کیسے کرسکتا ہے!

یہ انتہاءدرجے کی بدنصیبی اور محرومی ہے، یہ رمضان المبارک کی بے احترامی اور بے وقعتی ہے، یہ اللہ کے انعام کو ٹھکرانا اور اس سے منہ موڑنا ہے، بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اپنے لیے اور اہل وعیال کے لیے روزی کمانا بھی شرعی فریضہ ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے؛ لیکن نماز چھوڑ کر، روزے چھوڑ کر اور اللہ تعالی کے احکام کو توڑ کر جو روزی کمائی

جائے گی، وہ پیٹ کی بھوک کو تو راحت پہنچا سکتی ہے؛ لیکن دل و دماغ کی تسکین کا باعث نہیں بن سکتی، ایسی تجارت روزی کے ساتھ ساتھ نحوست بھی لائے گی، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تو یہ صفت بیان کی ہے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ۔

ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں، جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے، زکات دینے سے غافل رکھتی ہے، وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں، جس میں دل اور نگاہیں پلٹ جائیں گی۔ (سورۃ النور: 37)

بلکہ اللہ کے بندے تو ایسی تجارت کرتے ہیں، جس میں کبھی گھاٹا نہیں ہوتا اور وہ تجارت درج ذیل ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ. لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ۔

ترجمہ: یقیناً جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، پوشیدہ اور علانیہ طور پر ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں، جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے؛ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے۔ (سورۃ الفاطر: 29-30)

یقیناً دنیا داروں کے لیے بھی رمضان کا مہینہ ایک سیزن ہے، پیسے کمانے، مال بڑھانے اور دنیا جمع کرنے کا بہترین موقع ہے۔ اور اللہ کے نیک اور باتوفیق بندوں کے لیے بھی یہ مہینہ ایک سیزن اور نیکیوں کا موسم بہار ہے، جس میں وہ نیکیوں کا انبار جمع کرتے ہیں، تلاوت، تراویح، روزہ اور دیگر عبادات میں اپنی محنت و مشقت اور اپنا وقت خرچ کر کے ایسی تجارت کرتے ہیں، جس میں تاجر ہمیشہ سرخ رو ہوتا ہے اور بڑے فائدہ کا حق دار بن جاتا ہے۔ ایک دنیا کے لیے تجارت ہے اور ایک آخرت کے لیے ہے، دونوں کو نفع ہوتا ہے؛ لیکن دونوں میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا ہے:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا۔

ترجمہ: مال و اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور جو نیکیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں، آپ کے رب کے نزدیک ان کا ثواب بھی بہتر ہوگا اور ان کے ساتھ وابستہ توقع (اور اس کا نتیجہ) بھی اچھا ہوگا۔ (سورۃ الکہف: 26)

جو لوگ روزے نہیں رکھتے وہ کس درجہ محروم اور بدنصیب ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے

کہ اللہ کے رسول...... نے انھیں اپنا دشمن قرار دیا ہے، رسول اللہ......کی وعید ہے: ثلاثٌ مَنْ حَفِظَهُنَّ فَهُوَ وَلِيِّ حَقاً، ومَنْ ضَيَّعَهُنَّ عَدُوِّیْ حَقًّا: الصَّلاةُ وَالصِّيَامُ وَالْجَنَابَةُ۔ ترجمہ: تین چیزوں کی حفاظت جس نے کی، وہ واقعتا میرا دوست ہے۔ اور جس نے انھیں ضائع کیا، وہ درحقیقت میرا دشمن ہے: نماز، روزہ اور جنابت۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث نمبر: 8961)

بازار بازی اور رمضان:

بہت سے لوگ رمضان جیسے سنہرے موقع کو منظم نہیں کرتے، پہلے سے اس کی تیاری نہیں کرتے، رمضان میں پیش آنے والی ضرورتوں کا پہلے سے انتظام نہیں کرتے، عید کے انتظامات بھی قبل از وقت نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں وہ رمضان المبارک کا بڑا حصہ بازار اور خرید و فروخت میں ضائع کر دیتے ہیں، سحر و افطار کے سامان کے انتظام میں کافی وقت بازار میں گزارتے ہیں، اور پھر پندرہ رمضان کے بعد تو مساجد کی رونق ماند پڑ جاتی ہے اور بازار کی چمک دمک اور چہل پہل میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہماری بعض خواتین تو اخیر عشرہ کی راتیں بازار میں ہی گزارتی ہیں، ان کو شب قدر سے زیادہ نئے ڈیزائن کے کپڑوں اور نئے ماڈل کی سینڈلوں کی تلاش رہتی ہے؛ جب کہ اخیر عشرہ میں اللہ کی رحمت، عنایت، توجہ اور انوار و برکات کا نزول پہلے سے زیادہ ہونے لگتا ہے اور اس قیمتی عشرہ کو ہمارا معاشرہ بازار بازی کی نذر کر دیتا ہے، اللہ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہے اور ہم بازار کی طرف؛ کتنے افسوس کا مقام ہے! کاش ہمارے اندر عقل اور تمیز ہوتی! رمضان کی مقدس ساعات بدترین جگہ میں ہم گزارتے ہیں؛ چناں چہ بازار کے تعلق سے اللہ کے نبی......کا مبارک ارشاد ہے:

”أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا“

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے بدترین جگہ اللہ کے نزدیک بازار ہیں۔ (صحیح مسلم، باب أحب البلاد إلی اللہ مساجدہا، حدیث نمبر: 671)

رمضان کے ناقدروں کو رسول اللہ......کی تنبیہ:

اس مبارک مہینہ کی ناقدری کرنے والے کو کبھی حضرت جبرئیلؑ نے اس طرح بددعا دی: ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو سکی، جس پر آپ...... نے آمین کہی، کبھی آپ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: بدبخت ہے وہ شخص جو اس ماہ مبارک میں بھی باران رحمت سے محروم رہا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: 23693)، کہیں آپ نے فرمایا: جس کی رمضان میں مغفرت نہ ہو سکی تو پھر کب ہوگی! (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: 8963)، رمضان المبارک کے مہینہ میں بھی جو لوگ گناہوں میں ملوث رہتے

ہیں ، ان کے بارے میں اللہ کے نبی کی وعید ہے کہ اگلے ایک سال تک فرشتے ان پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔(کنز العمال، حدیث نمبر: 23724)،ایک روایت میں اللہ کے نبی کا فرمان ہے: میری امت اس وقت تک ذلیل وخوار نہیں ہوسکتی، جب تک وہ روزوں کا اہتمام کرتی رہے۔(کنز العمال، حدیث نمبر 23701)، کہیں رمضان کے ناقدروں کے بارے میں رحمۃ للعالمین ...... نے فرمایا کہ اللہ تعالی کو کوئی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگ بھوکے پیاسے رہیں۔یعنی اللہ کے یہاں ان کے اس عمل کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں۔

آخری پیغام لہٰذا رمضان المبارک کے موقع کو ہمیں غنیمت سمجھنا چاہیے،اس کی ایک ایک ساعت اور گھڑی کے ہم قدر کرنے والے بنیں ، روزہ، تراویح اور اعتکاف کے ساتھ ساتھ تلاوت اور دیگر عبادتوں کا بہت اہتمام کرنا چاہیے،اس مقدس مہینہ میں ہر طرح کے گناہ سے پرہیز کرنا بیحد ضروری ہے،اپنے آپ کو رمضان کی مخصوص عبادتوں کے لیے زیادہ سے زیادہ فارغ کرلینا چاہیے،تجارت اور کاروبار میں کم سے کم وقت خرچ کرنا چاہیے،خرید وفروخت بالکل محدود کردینی چاہیے،ٹی وی،موبائل اور بازار میں وقت گزارنے سے بالکل دور رہیں؛ تاکہ رمضان کی رحمتیں ،برکتیں اور نیکیاں زیادہ سے زیادہ حاصل کرسکیں۔اور خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم رمضان کے محروم لوگوں میں شامل ہو جائیں، بجائے سعادت مندی کے بدبختی ہمارے ہاتھ آئے، بجائے رحمت الٰہی کے فرشتوں کی لعنت ہم پر برسیں اور نہ جانے ان سب کی تلافی کے لیے اگلا رمضان ملے یا نہ ملے!۔

محدث العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یہ حقیقت وَاضح اور مسلم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغاماتِ الٰہیہ جس طرح قرآن کی صورت میں نازل ہوئے اسی طرح بہت سے پیغاماتِ الٰہیہ قرآن کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازِل ہوئے جن کی تعلیمات اُمت کو دی گئی،قرآنِ کریم کی اصطلاح میں انبیاءِ کرام کی ان تعلیمات کا نام ”الحکمۃ“ ہے اور قرآنِ کریم نے متعدد مقامات میں اسے ”انزل“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ان اشارات سے یہ بات سمجھنی آسان ہوگئی کہ دین کا اصل مدار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دین کا اصل منبع نبوت کی تعلیمات و ہدایات ہیں خواہ قرآنِ کریم میں اُن کا ذکر ہو یا نہ ہو،اسلام کے تشریعی نظام پر غور کرنے کا موقع جن لوگوں کو ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بہت سے بنیادی اور اہم احکامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی کے اشارے سے اُمت کو دیئے اور مدت کے بعد قرآنِ کریم میں ان احکام کی آیات نازل ہوئیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ احکام کی تصدیق وتائید کی گئی۔“(بصائر وعبر،جلد اول،ص:۱۲۶)

حفظِ قرآن کی نعمت اور حفاظ کی ذمہ داریاں

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

مجھ سمیت جتنے بھی حفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو یہ توفیق دی اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرمایا، اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں تھا، یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے اور ہم جتنے لوگ ہیں گویا منتخب اور چنیدہ لوگ ہیں، ہمارا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اس انتخاب پر ہمیں دل سے خوش ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. (یونس:58)

کہہ دو (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، سو اسی پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔ یہ ان چیزوں سے بہتر ہے، جو جمع کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین، دین کے احکام، قرآن کریم، یہ سب ایسے امور ہیں، جن پر ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہمیں خوش ہونا چاہیے۔ جسے اللہ کا دین حاصل ہو، جسے اللہ کے دین کی نعمت حاصل ہو اور جسے قرآن کریم کی نعمت حاصل ہو، یہ نعمت تو ہم سب کو حاصل ہے، اگرچہ حفظ کی بدولت حفاظ کو زیادہ حاصل ہے، لیکن غیر حفاظ کو بھی حاصل ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے، جس پر ہمیں خوش ہونا چاہیے، اِترانا نہیں چاہیے، کبر وغرور نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ وہ تو شریعت میں منع ہے، لیکن جیسے تعلیم کے میدان میں مختلف اہداف حاصل کرکے ہم خوش ہوتے ہیں، اور جو بھی کسی درجے پہ پہنچتا ہے تو وہ محنت کرکے پہنچتا ہے، لیکن یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اس سے کہیں زیادہ خوشی ہمیں اس پر ہونی چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ نے ہمیں قرآن کی نعمت دی ہے، قرآن ہمارے سینوں میں محفوظ ہے، یہ ہمارے اپنے بس میں نہیں تھا، ہماری کوئی طاقت نہیں تھی کہ ہم یہ کام کرسکتے محض اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر اپنا فضل فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ یہ جتنی چیزیں تم جمع کرتے ہو، مال و دولت جمع کرتے ہو، جائیدادیں جمع کرتے ہو، ڈگریاں جمع کرتے ہو، Skills (ہنر/صلاحیتیں) حاصل کرتے ہو، ان میں سے سب سے بڑی نعمت اور دولت جو تمہیں حاصل ہے، جو ان سب سے بہتر ہے، وہ قرآن کریم کی دولت ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے حفظ کا اظہار کرتے

ہوئے شرمانا نہیں چاہیے، ہمیں خوشی سے اس کا اظہار کرنا چاہیے اور اس نیت سے اظہار کرنا چاہیے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔(الضحیٰ: 11) جو نعمت تمہیں حاصل ہو، اس کا اظہار کرو۔

یعنی نعمت کے اظہار کے طور پر آدمی اس کا تذکرہ کرے۔

قرآن کی حفاظت کا ربّانی نظام:

ارشادِ ربّانی ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر: 9)

''ہم نے یہ نصیحت اتاردی ہے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔''

اس ذکر سے مراد قرآن کریم ہے اور اس حفاظت میں قرآن کریم کے الفاظ، معنیٰ اور اس کا مفہوم وتفسیر بھی داخل ہے۔ قرآن کریم سے متعلق اہم امور اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور یہ دنیا چونکہ دارالاسباب ہے تو اس حفاظت کے لیے کچھ صورتیں اور اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیے ہیں۔ کسی بھی متن کو محفوظ کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ اس کو لکھ لیا جائے، آج کل کے دور میں Composing (کمپوزنگ) ہوتی ہے، لوگ کتابیں وغیرہ لکھتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو اپنے حافظے اور دماغ میں یاد کرلیا کریں، کسی بھی متن کو محفوظ کرنے کی عقلی طور پر یہی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں تدبیریں اعلیٰ درجے پر اختیار فرمائیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم لکھا جاتا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو صحابۂ کرام میں سے بعض صحابہ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ قرآن کریم کو لکھیں، ان صحابہ کو کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے، یعنی وحی کے لکھنے والے اور یہ بھی بہت محدود حضرات تھے، کتابوں میں ان کی تعداد 42 / 43 تک ملتی ہے۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرات تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو بلاتے تھے اور ان کو لکھوادیتے تھے۔ خود دورِ رسالت میں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ قرآن کریم پورا لکھا جاچکا تھا۔ ایک نظم تو اللہ تعالیٰ نے یہ بنایا کہ قرآن کریم کی کتابت کا بندوبست فرمادیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے پورا نظام بنادیا اور اس کے اصول وضوابط مقرر فرمادیے کہ لکھتے ہوئے کن قاعدوں کی رعایت رکھنی ہے۔ جب کوئی ایک آیت نازل ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاتبِ وحی صحابی کو بلاکر بتاتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے

بعد لکھو، اس لیے قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی پوری ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے، اس میں ردو بدل نہیں کیا جا سکتا، اس کو ہمارے مدرسے کی فنی زبان میں توقیفی کہا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے، اور اس میں کوئی ردو بدل نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آ کر کہتے تھے کہ قرآن میں کچھ تبدیلی کر دیجیے یا اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آیئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں انہیں فرمایا: مجھے یہ اختیار نہیں ہے۔

قرآن کا حفظ اور اس کی آسانی:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ. (القمر:17)

''اور البتہ ہم نے تو سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا، پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟!''۔

اس آیت کے دو تین مطالب علماء بتاتے ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے یاد کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، دنیا کی کوئی کتاب آسانی سے یاد نہیں ہوتی، اس طرح کہ ابتدا سے انتہا تک ایک ایک لفظ آپ کو یاد ہو جائے اور ہر ہر لفظ کا زبر، زیر پیش سب یاد ہو، یہ انتہائی مشکل ترین کام ہے، قرآن کریم کے سوا دیگر کتابوں کا یاد کرنا انتہائی مشکل ترین کام ہے، لیکن قرآن کریم چھوٹا سا بچہ بھی یاد کر لیتا ہے۔

کافی عرصہ پہلے اقراء روضۃ الاطفال کا ایک پروگرام ہوا اور اس میں اسٹیج پر ایک بچی کو لایا گیا کہ اس بچی نے بھی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور غالباً اس کی عمر صرف چار سال تھی، ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ اکثر اپنے بیانات میں سناتے تھے، یہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی طرف سے ایک نظام ہے اور اس نظام کے تحت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے یاد کرنے کو آسان فرما دیا۔ کوئی اگر قرآن کریم کو یاد کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی، آسانی سے وہ قرآن کریم کو یاد کر لے گا۔ لیکن جیسے قرآن کریم کو یاد کرنا آسان ہے، ویسے ہی قرآن کریم آسانی سے بھول بھی جاتا ہے، اس لیے بتایا گیا کہ قرآن کریم یاد کر لیا، اب اس کو محفوظ رکھنے کی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ حفظِ قرآن کو برقرار رکھنا اور رمضان کی تیاری قرآن کریم یاد کرنا تو آسان ہے، لیکن بھول بھی آسانی سے جاتا ہے، آپ تھوڑا عرصہ اگر قرآن کو چھوڑ دیں گے تو آپ بھول جائیں گے، جیسے قرآن کریم کو یاد کرنے کی بڑی فضیلتیں اور بہت بڑا اعزاز ہے، اسی طرح قرآن کریم کو یاد کر کے بھولنا گناہ ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اونٹ کو اگر آپ کسی جگہ رسی سے باندھ دیں، وہ اپنی

رسی چھڑا کر اتنا تیزی سے اور اتنا جلدی نہیں بھاگتا، جتنا جلدی اور جتنی آسانی سے قرآن کریم سینوں سے نکل جایا کرتا ہے۔(مشکوۃ المصابیح:2201)

اس لیے حفظ کی تدبیر اختیار کرنا اور مستقل قرآن کریم کو پڑھنا بہت ضروری ہے۔اگر بالفرض آپ قرآن کریم بھول گئے ہیں تو کوئی بات نہیں آپ دوبارہ یاد کر سکتے ہیں، پہلی بار یاد کرنا آپ کے لیے مشکل کام ہے، دوسری بار میں یاد کرنا نسبتاً آسان ہے، اس کی کوشش اور تدبیر کریں۔

رمضان المبارک میں تراویح کا سلسلہ بھی قرآن کریم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیے ہوئے نظام کا حصہ ہے، اگر پورا سال بھی کوئی نہ پڑھے تو رمضان میں اس کو پڑھنا پڑتا ہے۔

امامت کی ذمہ داری اور چند احتیاطیں:

اس میں شک نہیں کہ رمضان میں قرآن سنانا ایک مشکل کام ہے، لیکن قرآن سنانے کے ساتھ ساتھ آپ تراویح میں امامت کرتے ہیں، یہ بھی بڑی ذمہ داری ہے، نماز میں امامت کرنا معمولی کام نہیں ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ امامت کرنا ایک بڑی ذمہ داری ہے۔امام کی مثال ایسی ہے جیسے: ٹرین میں انجن، اگر انجن درست نہ ہو تو ہو ٹرین کیسے چلے گی؟ اگر امام خدانخواستہ مسائل سے واقف نہ ہو۔طہارت و پاکی کے مسائل سے واقف نہ ہو۔وضو اور غسل کے مسائل سے واقف نہ ہو، وضو اور غسل اسے صحیح طرح نہ کرتا ہو، نماز میں امامت کے جو مسائل ہیں، ان مسائل میں اس کو آگاہی نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کی نماز خراب کرے گا اور سب کی نمازوں کو خراب کرنے کا گناہ بھی اس کے ساتھ آئے گا، اس لیے اس ذمہ داری کو سمجھیں، اس کو ہلکا نہ لیں، اس ذمہ داری کو بڑی ذمہ داری سمجھیں اور بڑی خطرناک ذمہ داری سمجھیں، یہ نہیں کہا جا رہا کہ آپ لوگ تراویح امامت نہ کریں، بالغ حفاظ ضرور امامت کریں، لیکن امامت اور تراویح کے مسائل کو بھی سکھیں، اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے کی جانب توجہ دیں اور قرآن کریم سنانے میں جلد بازی نہ کریں، اطمینان وسکون اور وقار سے قرآن سنائیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!۔

اہل مدارس کی خدمت میں چند گزارشات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

شعبان کا مہینہ برصغیر میں ایک خاص روایت کا حامل ہوگیا ہے؛ کیوں کہ دینی مدارس کا آغاز شوال سے ہوتا ہے اور شعبان پر تعلیم اور حساب وکتاب کا اختتام عمل میں آتا ہے، جو مدارس ابتدائی تعلیم کے ہیں، ایک خاص حد تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد طلباء وہاں سے نسبتاً بڑے مدارس میں منتقل ہوجاتے ہیں، جن درس گاہوں میں حفظ قرآن کی تعلیم کا نظم ہے، وہاں یہی تکمیل درس قرآن کا موسم ہوتا ہے، جہاں دورۂ حدیث تک یا تخصصات کی تعلیم کا انتظام ہے، وہاں سے طلباء سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں، یہ ان کی زندگی میں ایک نیا مرحلہ اور نیا موڑ ہوتا ہے، اب انھیں اُمت کے مختلف کاموں کی ذمہ داری انجام دینی ہوتی ہے، عام طور پر امامت، خطابت، مکتب کی تعلیم یا نسبتاً اونچی جماعتوں کی تدریس ان سے متعلق ہوتی ہے؛ لیکن ان کی جدوجہد کا دائرہ اسی میں محدود نہیں ہوتا، وہ ان کاموں کو کرتے ہوئے دوسرے اُمور بھی انجام دیتے ہیں اور اُمت کی دوسری دینی ضروریات بھی ان ہی سے پوری ہوتی ہیں، مسلمانوں میں اختلاف ہوجائے تو ان کے درمیان صلح کرانا، اور سماج میں جو بھی مسئلہ پیش آئے، ان کے بارے میں شرعی احکام کی رہنمائی کرنا، سماج کو نیکی کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا، ہر عالم اس کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے، اور اپنی صلاحیت اور توفیق کے مطابق اسے انجام بھی دیتا ہے، اس لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں بڑی اہم ہیں اور بحیثیت مجموعی اُمت کو اسلام سے مربوط رکھنے اور ان کے شیرازہ کو بکھراؤ سے بچانے میں ان فضلاء کا بڑا اہم رول ہے۔

ان مدارس کا نظام سادگی پر رکھا گیا ہے، سادہ عمارت، سادہ رہن سہن، خورونوش کا سادہ انتظام، پہننے اوڑھنے میں سادگی، ہر طرح کے تکلفات اور تعیّشات سے دور، ابتداءً ان مدارس کا یہی مزاج تھا اور بہت سے دینی درس گاہیں اپنے زمانہ کے معیار زندگی کے اعتبار سے اسی روش پر قائم ہیں، ایسا لگتا ہے کہ تحریک مدارس کے مؤسسین نے قصداً یہ طرز عمل اختیار کیا تھا؛ تاکہ ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے لوگ مشکل حالات میں کام کرنے کے عادی رہیں اور دین کی خدمت انجام دے سکیں، یہ نہایت اہم پہلو ہے، اور ہمارے فضلاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو ملحوظ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے اپنے دین کا کام لینا مقصود ہوتا ہے، ان کی تربیت کا بھی انتظام کیا جاتا ہے اور اس کا سب سے اہم حصہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں مشقتیں جھیلنے اور خلاف طبیعت باتیں برداشت کرنے کی عادت ہوجائے،

قرآن مجید نے انبیاء کرام کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ان میں زیادہ تر واقعات انبیاء اور ان کی اقوام کے درمیان کشمکش اور مخالفین حق کی جانب سے ایذاء رسانی کے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور انسانیت کے لئے اُسوۂ کاملہ تھے، اس لئے آپ اور زیادہ ابتلاؤں سے گذارے گئے اور آپ کو اوروں سے بڑھ کر آزمائش کی بھٹیوں میں تپایا گیا، غور کیجئے! کیا خدا اس پر قادر نہیں تھا کہ جو غلبہ آپ کو فتح مکہ کے بعد حاصل ہوا، وہ نبوت کے پہلے ہی دن حاصل ہو جاتا، اور جن لوگوں نے ۸ ہجری میں آپ کے شوکت وجلال کو دیکھ کر سر تسلیم خم کیا وہ اول دن ہی اسلام کے سامنے سر جھکا دیتے؛ لیکن ایسا نہیں ہوا، آپ نے پتھر بھی کھائے، گالیاں بھی سنیں، چوٹیں بھی سہیں، بھوکے بھی رہے، طائف کی سڑکوں سے بھی گذارے گئے، بدر واُحد کے معرکوں میں بھی آزمائے گئے، چہرۂ انور بھی لہولہان ہوا، منافقین مدینہ کی ستم انگیزیوں اور جفا کاریوں کو بھی برداشت کرنا پڑا، پھر جا کر اسلام کو فتح وکامرانی حاصل ہوئی، کیا خدا اس بات پر قادر نہیں تھا کہ اول دن سے ہی اہل مکہ کے قلوب کو آپ کے لئے نرم کر دیتا اور وہ ایمان لے آتے؟ اللہ یقیناً اس بات پر قادر تھے؛ لیکن اس کے ذریعہ تربیت اور امتحان کے مراحل سے آپ کو گذارنا مقصود تھا۔ علماء جب انبیاء کے وارث ہیں تو یقیناً انھیں بھی آزمائشوں سے گذرنا ہوگا، انھیں زندگی کا ایک سادہ نقشہ تیار کرنا ہوگا، جس میں معمولی کھانے، پینے، معمولی مکان، معمولی لباس اور معمولی طرز زندگی کی ہی گنجائش ہوگی، لوگوں کے طعنے بھی سننے پڑیں گے، تکلیف دہ باتوں کو بھی انگیز کرنا ہوگا اور زندگی کی بہت سی نعمتوں سے اپنے آپ کو دُور رکھنے پر آمادہ رکھنا ہوگا، یہ مشقتیں اوروں کے لئے مشقت ہے اور کاروانِ عشق کے لئے حاصلِ حیات، بقول اقبالؒ: کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیا تکہنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے واردات صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبر حسینؓ بھی ہے عشق معرکۂ وجود میں بدر وحنین بھی ہے عشق اس مئے حیات کو بچانا وقت کی ضرورت ہے، جہاں پوری فضاء مادیت کی پرستار اور دلدادہ ہو، وہاں قناعت وتوکل کی بات مضحکہ خیز سمجھی جاتی ہے؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قناعت ہی کی خمیر سے ان مدارس کا وجود اُٹھا ہے اور جس قدر اس کی اہمیت کل تھی اس سے زیادہ آج ہے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ بہت سے علاقے شہر کی رونقوں اور راحتوں سے دُور ہیں، وہاں ہمارے خاندان کا ایک حصہ آباد ہے، ان میں بعض مسلمان ایسے ہیں جن کے کانوں نے آج تک اللہ اکبر کی صدا بھی نہیں سنی ہے اور جن کی زبانیں جہالت کی وجہ سے اللہ اور رسول کا نام بھی صحیح طریقہ پر نہیں لے سکتیں، ہمارے نوجوان فضلاء وہاں کام کرنے سے گریزاں ہیں؛ کیوں کہ وہاں وہ سہولتیں نہیں ہیں اور معاشی اعتبار سے بھی وہاں کے حالات بہت مایوس کن ہیں --- اگر ان مقامات پر ہم جا کر اپنی قوم کی خدمت نہیں کریں تو کون ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور کیوں کر ان کو اسلام پر قائم رکھنا ممکن ہوگا؟ اگر ایسی جگہوں پر عیسائی مشنریز اور قادیانیت پہنچتی ہے، تو ہمارے لئے

شکوہ سنج ہونے کا کوئی جواز نہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی طبقے کو آپ ٹھکرائیں اور اسے کوئی اور بھی نہ اپنائے؟۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ علماء کا اُمت سے تعلق محض ایک قانونی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ روحانی اور ایمانی تعلق ہے، قانونی تعلق میں انسان اپنے آپ کو ڈیوٹی تک محدود رکھتا ہے، مقررہ کام کے سوا اور وہ کوئی اور کام کرنا نہیں چاہتا؛ کیوں کہ اس کا اسے معاوضہ نہیں ملتا؛ لیکن عالم کی حیثیت ایک ایسے چوکیدار کی ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لئے دین کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے، وہ ملازم نہیں؛ بلکہ رضا کار ہے، اس کے فرائض غیر محدود ہیں، اس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ تمام اُمور اس کے فرائض میں داخل ہیں جو اس اُمت سے اللہ کو مطلوب ہیں، اگر کوئی شخص فسادِ عقیدہ میں مبتلا ہو تو اس کے عقیدہ کی اصلاح، بے نمازی ہو تو نماز کی دعوت، کسی برائی میں مبتلا ہو تو اس کو برائی سے بچانے کی کوشش، مسلمان خاندان یا شوہر اور بیویوں میں اختلاف ہو، تو رفع اختلاف کی سعی، بچوں اور بڑوں کی تعلیم کا انتظام نہ ہو، تو ان کی تعلیم کا انتظام، کوئی آفت سماوی آجائے تو لوگوں کی مدد کے لئے اُٹھ کر کھڑا ہونا، الیکشن ہو رہا ہو تو مسلمانوں کے مفاد کی رعایت کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی، اگر وہاں برادران وطن کی آبادی بھی ہو تو ان کے ساتھ داعیانہ ربط وضبط، فرقہ وارانہ منافرت پھیل رہی ہو تو امن وامان قائم کرنے کی کوشش، غرض اُمت کا کوئی مسئلہ ہو، عالم کا فرض ہے کہ وہ کسی دنیوی منفعت کی طمع کے بغیر محض ملی مفاد اور دینی تقاضہ کے تحت اُٹھ کھڑا ہو۔

یہ نہایت اہم ضرورت ہے اور یہی علماء سلف کا طریقہ تھا، افسوس کہ اب فضلاء مدارس نے اپنے دائرۂ عمل کو مسجد اور مدرسہ تک محدود کر دیا، اس کی وجہ سے مسلمانوں میں صالح اور بے لوث قیادت کا خلا پیدا ہو گیا ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ جاہل اور غیر سماجی عناصر نے مسلمانوں کے مسائل کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ان کے عمل دخل سے جن نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، وہی نتائج ظہور میں آرہے ہیں۔

تیسری اہم بات مصلحت اندیشی اور زمانہ شناسی ہے، ہمارے نوجوان فضلاء میں بہ تقاضۂ عمر جوش اور زود رنجی زیادہ ہوتی ہے اور وہ زمین کے تیار ہونے سے پہلے پودا لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر زمین نرم نہ کی گئی ہو اور اس میں بیج ڈال دیا جائے، اگر توا گرم نہ ہوا اور اس پر روٹی رکھ لی جائے، پھل تیار نہ ہوا اور اسے مصنوعی طور پر پکایا جائے تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر کوئی برائی جڑ پکڑ چکی ہے اور مدت دراز سے اس کی خو چلی آتی ہو، تو بیک لمحہ اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور ایسی اصلاح سے اندیشہ ہے کہ فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو، اسی لئے احکام شریعت میں تدریج کا لحاظ رکھا گیا ہے، اکثر محرمات بہ تدریج حرام قرار دی گئیں اور شراب کا معاملہ تو بالکل واضح ہے، وہ تین مرحلوں میں حرام ہوئی، اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ حکمت ومصلحت کے پہلو کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے، انسان جو کچھ کہے حق کہے؛ لیکن ہر حق بات کا ہر وقت کہہ دینا ضروری نہیں بعض دفعہ مرحلہ وار حق کا اظہار زیادہ مفید

ثابت ہوتا ہے--- اگر علماء اس بات کو ملحوظ رکھیں تو بہت سے باہمی اختلاف جو مسجدوں اور دینی کاموں میں پیدا ہوجاتے ہیں، ان کی نوبت نہ آئے۔

چوتھی اہم بات اُمت کی وحدت کی حفاظت اور اس کو انتشار سے بچانا ہے، اتحاد کی ضرورت کب نہیں رہی؟ لیکن موجودہ حالات میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے، یوں تو اختلاف کے مختلف اسباب ہیں، سیاسی، خاندانی، کاروباری وغیرہ؛ لیکن مذہبی اختلاف کا مسلم سماج پر زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے اور اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ مساجد، دینی درس گاہیں اور دینی اجتماعات اور مذہبی تقریبات جن کو اُمت کے اتحاد و اتفاق کا نمونہ ہونا چاہئے، وہی اختلاف و انتشار کا سبب بن جاتے ہیں اور جو لوگ اُمت کو جوڑنے کا کام کرتے، وہی اختلاف کے علمبردار بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں، تو ایسی صورت میں کون ہے جو ان بکھرے ہوئے تسبیح کے دانوں کو پرو سکے، اور شکستہ دلوں پر مرہم رکھ سکے!۔

ہمارے فضلاء کو اس پر ضرور توجہ دینی چاہئے کہ وہ اُمت کے کسی ایک طبقہ کے رہنما نہیں ہیں؛ بلکہ پوری اُمت کے لئے دواءِ دل کا درجہ رکھتے ہیں، ان کو تمام مسلمانوں سے بحیثیت مسلمان محبت رکھنی چاہئے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی زبان اور قلم کہیں اُمت میں انتشار کا باعث نہ بنے۔

پانچویں اور بہت ہی اہم بات یہ ہے کہ اُمت کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جس نے جدید علوم کو حاصل کیا ہے، جیسے ہمارے علماء دین کا وجود ایک ضرورت ہے ویسے ہی عصری علوم کے ماہرین بھی ہمارے لئے بہت بڑی ضرورت ہیں، ہم ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے، یہ قوم کا بہت بڑا اثاثہ ہیں، یہ عام طور پر اسلام کے بارے میں مخلص بھی ہیں، اگر کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہوں جو دین کے مزاج و مذاق کے خلاف ہیں، تو یہ زیادہ تر ان کی ناواقفیت اور ناآگہی کی وجہ سے ہے اور باہمی غلط فہمی کی وجہ سے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان ایک خلیج سی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ یہ بہت افسوس ناک ہے اور اس میں زیادہ تر محض باہمی دوری اور غلط فہمی کو دخل ہے، علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اس طبقہ کو اُمت کی بہترین امانت سمجھ کر قریب کریں، ان کے شکوک و شبہات کو تحمل کے ساتھ سنیں اور محبت کے ساتھ ان شکوک کے کانٹوں کو ان کے دلوں سے نکالیں، اُمت میں جو لوگ فکری اعتبار سے راہ مستقیم سے منحرف ہوں، ان کے ساتھ ہمارا سلوک وہی ہونا چاہئے جو ایک ہمدرد اور فرض شناس معالج کا اپنے ناسمجھ مریض کے ساتھ ہوتا ہے، ہمارا رویہ ان کے ساتھ فریق اور رقیب کا نہ ہو؛ بلکہ رفیق اور صدیق کا ہو۔ یہ ہمارے نوجوان فضلاء کے لئے ان کے ایک ایسے بھائی کی گذارشات ہیں جو اس راہ سے بہ مقابلہ ان کے کسی قدر پہلے گذر چکا ہے، یہ ایسی حقیقتیں ہیں کہ جن پر دھیان دینا وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے اور جن سے پہلو تہی اُمت اور علماءِ اُمت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

بلوچستان میں امتحانی پرچوں کی جانچ پڑتال

حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب (نگرانِ مرکز)
مولانا مفتی سید عبدالرحیم حسینی (معاون نگران)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام صوبہ بلوچستان بمقام جامعہ امدادیہ کوئٹہ میں جوابی کاپیوں کے جانچنے کا عمل اور اس کے انتظامات کا جائزہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم حسینی (رکن امتحانی کمیٹی وناظم تعلیمات دارالعلوم چمن) نے پرچہ جات کے جانچنے کے عمل سے پہلے جملہ انتظامات انتہائی خوبصورتی کے ساتھ انجام دیے۔ قدیم مفتشین سے رابطہ کیا۔ان میں سے جس نے معذرت کی اس کی جگہ دوسرے اہل مفتش کا تقرر فرمایا،اسی طرح اس عمل کے شروع کرنے سے تین ماہ پہلے جملہ انتظامات حضرت نے کیےاور اس کو بہتر بنانے میں خوب خوب کوشش کی اور انتہائی ماہر اور قدیم اساتذہ کا انتخاب کیا۔جملہ مفتشین کی ترتیب وتنقیح کی فہرست مرتب کیےاور دفتر بھیجے۔

حضرت مفتی صاحب کی اس محنت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔چونکہ جانچنے کا عمل پاکستان کے چاروں صوبوں میں طے ہوا تھا۔اس لئے ناظم دفتر نے ہر صوبے سے ایک ایک نام منتخب کر کے چار آدمیوں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیا،اس گروپ کا کام باہمی ارتباط تھا۔اس میں بھی صوبہ بلوچستان کی طرف سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم حسینی ہی کا نام تھا۔اس لئے موصوف ہر معاملے میں دفتر سے رابطہ رکھتے تھے۔اور احکام لے کر اس کے مطابق کام کرنے کا حکم دیتے۔کمال یہ ہے کہ جانچنے کے عمل سے پہلے سارے انتظامات انہوں نے بنفس نفیس اور اکیلے انجام دیے۔اللہ تعالی ان کو جزاء خیر عطاء فرمائے، دفتر سے جانچ پڑتال کے عمل کی مکمل ذمہ داری (مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب دامت برکاتہم) کے پاس تھی اور بطور معاون نگران مفتی سید عبدالرحیم حسینی صاحب تھے۔ اس لئے ان دونوں نے باہمی مشاورت ومعاونت سے کام کا آغاز کیا اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیریت اور عافیت کے ساتھ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

جانچ پڑتال کا آغاز:

26 جنوری 2026ء (٦ شعبان 1447 دوشنبہ) کو صبح ۱۰ بجے ہم (مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب زید مجدھم نگران تفشین اور مولانا نور المتین صاحب زید مجدہ ممتحن اعلیٰ اور رکن نصابی کمیٹی) اپنے گھروں سے کوئٹہ کیلئے روانہ

ہوئے اور پونے دو بجے کوئٹہ ایئر پورٹ پر پہنچے، امتحانی کمیٹی کے رکن مولانا سید عبدالرحیم حسینی صاحب (معاون نگرانِ مرکزِتفتیش) ایئر پورٹ پر انتظار میں تھے۔مفتی صاحب نے راستے سے مولانا صلاح الدین صاحب (ناظم صوبہ بلوچستان) کو لیا، اور جامعہ امدادیہ پہنچے، جہاں جناب قاری نورالدین صاحب مدظلہم (جامعہ امدادیہ،کوئٹہ) کے والد بزرگوار کے انتقال پر ان سے تعزیت کی، اور دست بدعا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے۔

اور پھر وفاق کے کام میں مصروف ہوئے۔ پہلے سے ہی چار بجے مفتشین اعلیٰ حضرات سے اجلاس طے ہوا تھا۔

صوبہ بلوچستان کے پرچے جانچنے کے عمل میں 16 (سولہ) مفتشین اعلیٰ تھے۔ اور 480 چار سو اسی ممتحنین، مفتشین اعلیٰ کے اجلاس کو وقت مقرر پر بلایا مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب زیدمجدہم نے ان کو ہدایات دیں، اور بتایا کہ وفاق نے آپ کو انتہائی اہم ذمہ داری سونپی ہے جس کا تعلق امانت اور دیانت سے ہے، اگر آپ بہتر طریقے سے اپنی ذمہ داری نبھائیں گے تو اس کا اثر پورے بلوچستان پر پڑے گا، اس لئے انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی سے یہ ذمہ داری نبھانی ہے، اجلاس میں ناظم بلوچستان (مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب، زیدمجدہم) بھی موجود تھے۔

اسی طرح مغرب کے بعد مفتشین حضرات کو ہدایات دی گئیں (یہ ہدایات بھی حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب نے دی) کہ طلبہ کا مستقبل آپ کے ہاتھوں میں ہے اس لئے انتہائی احتیاط سے پرچہ جانچیں، کوئی افراط اور تفریط بالکل نہ ہو، امانت دیانت ملحوظِ خاطر رہے، انتظامی حوالے سے اصول وضوابط ذکر کرنے کے بعد مولانا صلاح الدین (ناظم صوبہ بلوچستان) نے جملہ مفتشین کو قواعد پر کاربند رہنے کی تلقین کی اور اس کام کو خوبصورتی کے ساتھ انجام دینے کی تاکید فرمائی، اور انہیں یاد دلایا کہ آپ حضرات نے اس کام میں رفتار اور معیار دونوں کی رعایت رکھنی ہے۔ جس طرح سال گزشتہ اس کی رعایت کرتے ہوئے آپ نے کام کیا تو ناظمِ دفتر (حضرت مولانا عبدالمجید صاحب زیدمجدہ) نے بھرے اجلاس میں صوبہ بلوچستان کے مارکنگ کے عمل کو سراہا اور فرمایا کہ صوبہ بلوچستان ہر لحاظ سے نمبر لے گیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ نیک نامی ہمیشہ ہمارا مقدر رہے اور اس کا دارومدار آپ حضرات کے عمل سے وابستہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔

مفتی سید عبدالرحیم حسینی صاحب کی تین مسلسل کوشش کے باوجود بعض ممتحنین نے مختلف اعذار پیش کی اور حاضر نہ ہوئے۔ چنانچہ 27 جنوری 2026ء (۷ شعبان 1447، سہ شنبہ) کو صبح دس بجے تک مفتشین اعلیٰ کی رپورٹ کی روشنی میں دور دور سے آنے والے جملہ نئے مفتشین کو اصول اور ضابطے کے مطابق ابتدائی درجات میں مقرر کیا اور پرانے مفتشین کو اگلے درجے میں ترقی دی، بغیر اطلاع اور بغیر خط کے آئے ہوئے علماء کی تعداد بہت زیادہ

تھی، ہم نے ان کے کوائف جانچے اور ان میں اہل لوگ اور دُور سے آنے والوں کو ترجیحی بنیاد پر تقرر کیا، اور مفتشین اعلیٰ کو ہدایت دی کہ ان جدید علماء حضرات کے کام کو چیک کریں۔ جن کا معیار اور رفتار مثالی ہو ان کو رکھیں، ورنہ ان کو جواب دینے میں بخل نہیں کیا جائے گا، جملہ مفتشین اعلیٰ حضرات نے ان نئے تقرر شدہ افراد کو جانچا اور تسلی بخش رپورٹ دی۔

26 جنوری 2026ء (۸ شعبان 1447 چارشنبہ) کو ہم نے صبح دس بجے مفتشین اعلیٰ کا اجلاس رکھا جس کے آخر میں ناظمِ بلوچستان (مولانا صلاح الدین صاحب) زید مجدہم بھی شریک ہوئے، اور انہوں نے تاکید کی کہ جس طرح طلبہ کے لئے ہم وضع قطع شرعی ہونے کا لحاظ رکھتے ہیں یہ مفتشین تو ان کے اساتذہ ہیں ان کی وضع قطع بطریق اولیٰ شرعی ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ اپنے طلبہ کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں اگر کسی کی وضع قطع غیر شرعی ہو تو ان کو بھی ادب واحترام سے فارغ کرنے میں تامل نہ کی جائے۔

اس اجلاس میں ہر مفتش نے رپورٹ دی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کام کی ابتداء کرنے کا عندیہ دیا۔ اس کے بعد انہی حضرات کے ذریعے ان کے معاونین کو بلایا۔ جن کی تعداد ساٹھ سے کم نہ تھی، ان کو اصول وضوابط سے روشناس کرایا (یہ ہدایات بھی حضرت مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب نے دی) اور انہیں باور کرایا کہ مفتشین اعلیٰ اور مفتشین حضرات آپ کے اساتذہ کے درجے میں ہیں ان سے ادب احترام سے پیش آئیں۔ تمھیں پرچے میں اور کشف الدرجات میں تصرف کرنے کی قطعاً اجازت نہیں اگر کسی کے مجموعہ میں غلطی ہو یا اجزاء کے نمبرات کی غلطی ہو، آپ امانت ودیانت کے ساتھ اس کی نشان دہی مفتشین سے کردیں وہ خود اس غلطی کی اصلاح کرکے دستخط ثبت کریں گے۔ آپ کو اول تا آخر مکمل وقت دینا ہے تعطیل اور چھٹی بالکل نہیں کرنی، اگر بامر مجبوری کہیں جانا ہو تو مفتشین اعلیٰ کے علم میں لائے بغیر کہیں تشریف نہ لے جائیں۔

پرچہ جات کے جانچنے کا عمل شروع کرنے کے بعد آج پہلا ظہر ہے کہ ہم نماز کے بعد تسلی اور اطمینان کا کمبل لیکر موسم کے نظارے کے ساتھ مفتشین کی کارکردگی کا بہ نظر غائر جائزہ لے رہے ہیں کہ قلم کی طاقت تلوار سے کس طرح زیادہ ہے۔ دفتر وفاق سے ہمارا رابطہ ہے اور ان کو تازہ دم صورتحال سے آگاہ کرنے میں بھی ہم نے کوتاہی نہیں کی، کس پرچے میں کتنے مفتشین ہیں، اور اضافی کتنے ہیں؟ یہ صورتحال مرکزی دفتر کے ناظم مولانا عبدالمجید صاحب کو بتا کر اور ان کے ارشادات اور ہدایات سے مستفیض اور مستفید ہوتے رہے، واضح رہے کہ اس رابطے کیلئے مولانا سید عبدالرحیم حسینی (رکن امتحانی کمیٹی) منتخب کیا گیا تھا۔

کراچی میں آج 27 جنوری 2026ء (۷ شعبان 1447 پنج شنبہ) ظہر کی نماز کے بعد صدرُ الوفاق نے مرکزِ

امتحان میں مفتشین سے خطاب فرمایا، ان کے سیکرٹری مولانا عبدالرحیم صاحب نے وہ خطاب ہمیں بھیجا چنانچہ آج بعد العصر جملہ مفتشین حضرات کو صدرُ الوفاق کا خطاب سنایا گیا۔ حضرت صدرُ الوفاق نے جملہ علماء کا شکریہ ادا کیا اور اصول اور ضابطوں کی مکمل پابندی کرنے کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ آپ کے کندھوں پر ایک بوجھ ہے امانت دیانت کا معاملہ ہے، کسی لائق کو نالائق اور نالائق کو لائق نہ بنائیں، سخت محنت اور جانفشانی سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ جملہ حضرات مفتشین نے حضرت کے ارشادات کو پورے غور سے سنا اور دلجمعی کے ساتھ سنا اور اس پر عمل کرنے کا عزم مصمم کیا۔

مفتشین اعلیٰ کے اجلاس کے بارے میں فیصلہ ہوا تھا، کہ روزانہ کی کارگزاری معلوم کرنے کے لئے ۱۱:۳۰ بجے اجلاس ہوگا، آج ناظمِ بلوچستان کی خصوصی ہدایت پر دس بجے اجلاس رکھا گیا، موصوف تشریف لائے تمام مفتشین کے پاس گئے مسجد اور جملہ نشت گاہوں کا معائنہ کیا اور اطمینان اور تسلی کا اظہار فرمایا۔

28 جنوری 2026ء (۸ شعبان 1447 بدھ) کے دن ساڑھے بارہ بجے جملہ مفتشین اعلی کا اجلاس ہوا، جس میں ان حضرات نے اپنے اپنے مفتشین کی کارکردگی پر مشتمل ایک جائزہ رپورٹ پیش کیا۔ مفتشین کی تعداد تو منگل کے دن ہی پوری ہوگئی تھی بہت سے علماء بغیر کسی اطلاع کے تشریف لا چکے تھے۔ جہاں تک ممکن تھا ان کی رعایت بھی کی گئی، اور بہت سے ایسے بھی تھے جو دور سے تشریف لائے تھے ہماری ضرورت جب پوری ہوئی تو ہم نے انہیں واشگاف الفاظ سے بے مراد رخصت کیا اور آئندہ کیلئے اعلان کیا کہ کوئی بھی بغیر دفتر کے لیٹر کے اس کام کو سرانجام دینے کیلئے تشریف نہ لائے، یہ بے قاعدگی اور بے ضابطگی کسی صورت میں قابل قبول نہیں۔ مفتشین اعلیٰ میں سے ہر ایک نے پرچے چیک کیے اور مفتشین کے غلطیوں اور کوتاہیوں پر ان کو تنبیہ کی، ہم نے ان کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ کہ ''گربہ کشتن روز اول'' کے مصداق اگر ابتداء سے ہماری نظریں اسی طرح مرکوز رہیں تو یہ غلطی نہیں دہرائی جائے گی اور تاکید کی گئی کہ اپنے معاونین کو کام پر لگائیں اور کسی قسم کی رعایت نہ کریں۔

بنات کے مفتشین کی نگرانی مفتی سید عبدالرحیم حسینی کو اور بنین کے مفتشین کی نگرانی مولانا عبدالرزاق کے حوالے کی گئی۔ بعض مفتشین اعلیٰ کے پاس مفتشین کی تعداد بہت زیادہ تھی ہم نے دفتر وفاق کی ہدایات کے مطابق ان کے معاون بڑھا دیئے۔

29 جنوری 2026ء (۹ شعبان 1447 جمعرات) کو ناشتے کی وقت پتہ چلا کہ مفتشین میں سے ایک مفتش جامعہ عربیہ مصباح العلوم شالدرہ کوئٹہ کے مہتمم مفتی محمد زبیر صاحب آج صبح وفاق المدارس کے پرچہ جانچ پڑتال کے لیے جامعہ امدادیہ سریاب روڈ تشریف لا رہے تھے۔ کہ راستے میں ڈاکوؤں کے فائرنگ سے زخمی ہو گئے۔ ان کو فوراً

ٹراما ایمرجنسی لے جایا گیا۔ مفتی سید عبدالرحیم حسینی (رکن امتحانی کمیٹی)، مولوی حفیظ اللہ صاحب (مسؤل کوئٹہ)، مولانا عبدالمتین صاحب (استاذ جامعہ امدادیہ کوئٹہ) ہم سب ان کی عیادت کے لئے ٹراما گئے ماشاء اللہ موصوف کی ہڈی متاثر نہیں ہوئی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو شفاء کاملہ عاجلہ نافعہ مستمرہ عطا فرمائے۔

30 جنوری 2026ء (۱۰ شعبان 1447 جمعہ) روزانہ کے معمولات کے علاوہ اطلاع آئی کہ امتحانی کمیٹی کے رکن مفتی محمد انس عادل (کراچی) مہتمم جامعہ فاروقیہ فیز ۲ جمعہ کی نماز کے بعد تشریف لائیں گے، تو ہم نے مفتشین اعلیٰ کا اجلاس بعد الجمعہ رکھا، موصوف نے اس میں شرکت کی، نشت گاہوں کا معائنہ کیا، اور بعد العصر مفتشین سے بات کی اور فرمایا کہ وفاق نے آپ پر اعتماد کیا ہے اور اہم ذمہ داری دی ہے۔ اس کو نبھانے میں کوئی فروگزاشت نہ کریں۔

موصوف مغرب کے بعد مفتی محمد زبیر کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے وہ بھی خوش ہوئے۔ ان کی طبیعت پہلے سے اب بہتر تھی اور گھر منتقل ہو چکے تھے۔ مغرب کے بعد جامعہ امدادیہ تشریف لائے اور اپنے کام میں مصروف ہوئے۔

۳۱ جنوری 2026ء (۱۱ شعبان 1447 ہفتہ) کو کوئٹہ شہر میں حالات بگڑے ہوئے تھے۔ صبح سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ ہم نے اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد مفتشین کو اعلان کیا کہ باہر جانے سے گریز کریں۔ جو حضرات رات گھر جاتے ہیں وہ بھی اپنے گھروں میں اطلاع کرالیں کہ وہ رات کو نہیں آسکیں گے۔ جملہ مفتشین نے اس اعلان کو سراہا اور اپنے اپنے کام میں مشغول رہے۔

یکم فروری 2026ء (۱۲ شعبان 1447 یک شنبہ) آج کے اجلاس میں جانچنے کے عمل کا اندازہ لگایا گیا کہ تقریباً آدھا کام مکمل ہو چکا، اور ہر مفتش اعلیٰ سے معلوم کیا گیا کہ ان کے مفتشین میں کتنے افراد ہیں جو کہ سریع ہیں، جو کام میں غلطیاں بھی نہیں کرتے اور جلدی بھی کرتے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو کہ اتنے دن گزرنے کے باوجود کام کے حقیقت اور نوعیت سے نابلد ہیں ایسے حضرات کی خصوصی نگہداشت کی تاکید کی گئی۔ امتحانی کمیٹی نے بھی تمام مفتشین اعلیٰ حضرات سے چیک شدہ کاپیاں لیں، اوران کو بہ نظرِ غائر دیکھا جو کمی بیشی نظر آئی اس کی نشاندہی کی اور واپس کر دیئے۔

۲ فروری 2026ء (۱۳ شعبان 1447 پیر) کو معمول کا اجلاس وقت مقررہ پر ہوا۔ جن جن مفتشین کے پرچہ جات میں غلطیوں کا امکان تھا ان کو دوبارہ تنبیہ کرنے کی ہدایت کی اور مفتشین اعلیٰ کو بتایا کہ وہ مفتشین جو بار بار غلطیاں دُہراتے ہیں۔ اور تنبیہ کے باوجود سدھرنے کا نام نہیں لیتے تو ان کے خلاف رپورٹ لکھیں اور ان کے نا اہل کرنے کی سفارش کریں۔ تاکہ آئندہ ان سے معذرت کرنا آسان ہو۔

۳ فروری 2026ء (۱۴ شعبان 1447 منگل) کو مفتشین اعلیٰ کی رپورٹ تسلی بخش رہی اور ان سے گزارش کی گئی کہ جب بعض مفتشین اپنا کام سمیٹ لیتے ہیں تو دیگر حضرات پرچہ جانچنے میں جلدی کرتے ہیں اور معیار بگاڑ دیتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آخری مرحلے تک معیار مثالی ہو، اس لئے آپ حضرات کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کا خاص خیال رکھیں۔

۴ فروری 2026ء (۱۵ شعبان بدھ) کو مفتشین اعلیٰ کے رپورٹ کے مطابق گودام میں کوئی بنڈل باقی نہیں تھا۔ دو ثلث مفتشین حضرات فارغ ہو گئے بعض تو تشریف لے گئے اور بعض معاونین کے پاس ری چیکنگ کا عمل جاری ہے جبکہ ایک ثلث مفتشین اپنے کام میں مصروف ہیں جملہ حضرات نے جمعہ تک کام مکمل ہونے کا عندیہ دیا۔

۵ فروری 2026ء (۱۶ شعبان 1447 جمعرات) کو مفتشین اعلیٰ کا آخری اجلاس ہوا۔ اس میں جملہ مفتشین اعلیٰ سے مفتشین کے بقیہ پرچہ جات کی رپورٹ لی، ہر مفتش کے پاس سو سے کم پرچے باقی تھے، عصر تک جملہ مفتشین کے فارغ ہونے کا اندازہ لگایا۔ اس کے بعد معاونین کی ری چیکنگ کا عمل شروع ہوا۔ تاکید کی گئی کہ جمعۃ المبارک سے قبل اس سے فارغ ہونا چاہئے۔ ان سے یہ گذارش کی گئی کہ جملہ بنڈلوں کو ترتیب کے ساتھ بوروں میں معاونین کے ذریعے ڈلوادیں اور سارے بورے سٹور میں جمع کر دیں تاکہ جمعہ کے بعد وفاق کے گاڑی لوڈ کرنے میں سہولت ہو۔

پرچہ جات کے جانچنے کا عمل الحمدللہ انتہائی عافیت وخیریت کے ساتھ اختتام پذیر ہوا جبکہ کوئٹہ کے حالات بھی ناموافق و ناساعد تھے۔ جامعہ امدادیہ کوئٹہ کے مہتمم جناب قاری نورالدین صاحب مدظلہم اور ان کے صاحبزادے مولانا سعداللہ نعمانی، مولوی سیف اللہ سیفی، مولوی محمد طاہر نور، اسی طرح جامعہ امدادیہ کے اساتذہ اور منتظمین مولانا حفیظ اللہ صاحب (مسؤول وفاق)، مولانا عبدالمتین صاحب اخونزادہ، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد طاہر صاحب (لبیب)، مولانا عبداللہ صاحب، مولانا احمد جان صاحب اور جملہ منتظمین نے مفتشین کی خوب خدمت کی اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور مفتشین کے آرام وسہولت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہم تمام منتظمین وفاق درج بالا حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں چونکہ پورے صوبے بلوچستان کی طرف سے ان حضرات نے میزبانی کا حق ادا کیا ان کے اس عمل کو ہم سب قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور وفاق المدارس کے ساتھ ان کے تعلق کو مزید مستحکم بنادے اور ان کے مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین!۔

یرحم اللہ عبداً قال اٰمینا

کامیاب امتحان کے انعقاد میں مثالی کردار

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

سالانہ امتحانات برائے 1447ھ موافق 2026ء الحمدللہ اختتام پذیر ہوگیا۔ مدارس دینیہ سے وابستہ بالعموم اور وفاق المدارس سے منسلک مرکزی صوبائی قائدین، اراکین عاملہ وامتحانی کمیٹی، مسؤلین و منتظمین اور مرکزی دفتر سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کیلئے بالخصوص آج کا دن یقیناً باعث تسلی واطمینان ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے وابستہ ہم کارکنان اپنی سعادت سمجھتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ہمیں اپنے وقت کی عظیم باصفا ہستیوں کی زیر نگرانی وزیر سرپرستی دین کے عالی وارفع کام سے منسلک کیا ہے۔ ہم اپنی خوش بختی مانتے ہیں کہ اس عالیشان اور مثالی نظم وضبط والے ادارے سے وابستہ ہیں جن کے بڑے اخلاص وتقوی، للّٰہیت وخشیت کے پیکر ہیں۔ جن کے زیر سایہ ہم کام کرتے ہیں وہ عالم اسلام کی چنیدہ ہستیاں ہیں۔ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہماری چھیاسٹھ سالہ تاریخ میں اس مثالی ادارہ کو ایسی پاکیزہ اوصاف سے متصف قیادت نصیب ہوئی ہے جو صدیوں سے جاری علوم ومعارف کے سلسلوں کے امین ہیں۔ اور الحمدللہ اس گئے گزرے دور میں بھی ہیں جن کا معترف سارا زمانہ اور سارا عالم ہے۔

ہم بجا طور رب تعالیٰ کے حضور شکر بجالاتے ہیں کہ ہم ایک ایسے مؤقر مرکز کے رکن ہیں جو دین وعلم کی دنیا میں اپنی مثال آپ ایک شخصیت ساز ادارہ ہے۔۔۔ **اللھم لک الحمد ولک الشکر**

سالانہ امتحانات کے کامیاب انعقاد میں کسی ایک فرد کا تعلق نہیں بلکہ اس کامیابی میں کئی ہستیوں اور شخصیات کا اجتماعی کردار ہوتا ہے۔ ایک ایسی اجتماعیت جس کے ہر کردار کی ذمہ داری اپنے اپنے دائرہ کار میں کلیدی ہوتی ہیں۔ اعلیٰ قیادت سے لے کر نچلی سطح تک ایک ٹیم ورک کا خوبصورت سلسلہ ہوتا ہے۔ تب جا کر جہاں الحمدللہ ایک منظم اور اپنی مثالی روایات کے مطابق وقت کے ساتھ ساتھ ترقیوں کی جانب رواں دواں ہے۔

آیئے! وفاق المدارس جیسے عظیم ادارے کے ان چند کرداروں کے لئے جذباتِ تشکر کا اظہار کرتے ہوئے ایک اجمالی جائزہ پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔

1) الحمدللہ آج جب چھیاسٹھویں سالانہ امتحانات کا مرحلہ اختتام پذیر ہوا تو اس پر رب تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے سب سے پہلے اپنے اکابر میں سے صدر وفاق شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، سینئر نائب صدر

یادگار اسلاف حضرت مولانا انوار الحق، قائد وفاق المدارس ترجمان مدارس دینیہ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری، نائب صدور مولانا عبید اللہ خالد، مولانا سید سلیمان بنوری، مولانا سعید یوسف حفظہم اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو اپنی پیرانہ سالی وضعف کے باوجود امتحان کے ان ایام میں رات دن عملاً مصروف عمل رہے۔ جن کی راتوں کے اکثر اوقات مصلیٰ پر بیٹھ کر لاکھوں طلاب علم کی کامیابیوں کے لیے اور وفاق المدارس سے وابستہ مختلف شعبوں میں خدمات انجام دینے والے ہزاروں افراد کی کامرانیوں کے لیے دعائیں مانگتے گزرتی ہیں۔ اور پھر دن کا آغاز ہوتے ہی مختلف مراکز امتحان کے ہنگامی دورے کرتے ہوئے ہمیں نظر آتے ہیں۔ ہر علاقہ کے حوالہ سے معلومات حاصل کرنا اور ضروری احکامات جاری کرنا بھی ان کے معمولات کا حصہ ہوتا ہے۔ تمام قائدین واکابران ایام میں ہمہ وقت ایک دوسرے سے رابطوں میں رہتے ہیں۔ الحمدللہ ادارے کا ایک مربوط نظام فعال ہے جس پر مرکزی وصوبائی قائدین مرکزی دفتر ملتان کے ذمہ داران سے مستقل رابطوں میں رہتے ہیں۔ جب کہ صوبائی ذمہ داران اراکین عاملہ وامتحانی کمیٹی سے جہاں مستقل رابطوں میں ہوتے ہیں وہیں علاقائی مسؤلین ومعتمدین سے پل پل کی معلومات لیتے رہتے ہیں۔ اور کسی بھی صورتحال میں فوری احکامات جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ احکامات انتظامی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں اور کسی بھی ضروری تبدیلی کی صورت میں لمحوں میں اوپر سے لیکر نچلی سطح تک پیغام پر بآسانی عملدرآمد ہوجاتا ہے۔

ان ایام امتحان میں رات دن کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ کام، کام اور بس کام ہوتا ہے۔ کسی بھی نوعیت کی شکایت پر متعلقہ ذمہ داران فوری طور پر متحرک ہوتے ہیں اور عملدرآمد کو یقینی بنایا جانا اس نظام کا اہم حصہ ہے۔ مذکورہ قائدین کو جہاں صحت کے عوارض لاحق ہیں وہیں سیکورٹی کے مسائل بھی درپیش ہوتے ہیں۔ ان سب کے باوجود چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کیلئے مراکز امتحان میں معائنہ کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم نے کئی سینٹروں کے دورے کئے۔ سینئر نائب صدر حفظہ اللہ نے انتہائی پیرانہ سالی میں کئی اضلاع کے امتحانی مراکز کے دورے کئے۔ ضعف اور کمزوری کے باوجود دو افراد کے سہارے سے گئے۔ امتحانی نظم میں خدمت کرنے والے نگران عملے کے اراکین اور مسؤلین ومنتظمین کی حوصلہ افزائی کی، دعائیں دیں، رپورٹیں بھی لکھیں، سبحان اللہ!

اسی طرح حضرت ناظم اعلیٰ صاحب مدظلہ نے ملتان، لاہور سمیت کراچی کے امتحانی مراکز کے ہنگامی دورے کئے۔ نظم امتحان کا جائزہ لیا۔ اور جو کمی بیشی سامنے آئی اس پر فوری احکامات صادر فرمائے۔ ناظم اعلیٰ صاحب مدظلہ کی عالمی سطح کی مصروفیات ہوتی ہیں اس کے باوجود ان کے معمولات میں ان ایام امتحان میں رات دن کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ ہمارا چونکہ مستقل رابطہ رہتا ہے کئی حوالوں سے ان کی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان دنوں رات کے دو تین بجے سے لے کر دن کے کسی بھی وقت پر ان سے رابطہ کریں تو فوری جواب دینا ان کی دیگر صفات کے ساتھ یہ

مثالی وصف الحمدللہ ان میں خوب ہے۔

مولانا عبیداللہ خالد دامت برکاتہم بھی علیل تھے۔مگر اس کے باوجود اپنے جامعہ فاروقیہ کے علاوہ جامعہ دارالعلوم کراچی اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے امتحانی مراکز تشریف لے گئے۔نظم امتحان کا معائنہ فرمایا اور رپورٹ تحریر کی۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ آپ شعبہ تحفیظ وفاق المدارس کی امتحانی کمیٹی کے سربراہ بھی ہیں۔درجات کتب کے امتحان سے ایک ہفتہ قبل ملک بھر میں شعبہ تحفیظ کا امتحان بھی ملک بھر میں ہوا۔آپ نے اسلام آباد سمیت کئی شہروں میں نظم امتحان کے معائنہ کے لیے مستقل اسفار کیے۔ان اسفار کے بعد آپ کی طبیعت بھی خراب ہوئی۔الحمدللہ چند روز میں بہتری آئی اور پھر آپ نے درجاتِ کتب کے امتحانی مراکز کے بھی دورے کئے۔اللہ تعالیٰ ان سمیت ہمارے تمام اکابر کو صحت کاملہ وعاجلہ مستمرہ ودائمہ عطا فرمائیں۔آمین!۔

مرکزی نائب صدر مولانا سید سلیمان بنوری مدظلہ نے بھی مختلف امتحانی مراکز کے دورے کئے۔اور رپورٹیں لکھیں۔امتحانی مراکز کے معائنہ کے لیے اپنی نیابت کے لیے ایک خصوصی ٹیم بھی تشکیل دی، جنہوں نے تقریباً کراچی کے تیس سے زائد امتحانی مراکز کے دورے کئے اور مشاہداتی رپورٹ بھی لکھیں۔مرکزی نائب صدر مولانا سعید یوسف مدظلہ العالی نے شدید سرد موسم میں کشمیر کے دور دراز علاقوں سمیت اسلام آباد اور اطراف کے امتحانی مراکز کے دورے کئے۔واقفان حال جانتے ہیں کہ امسال بعض پہاڑی علاقوں میں شدید برفباری کی صورتحال تھی۔ان علاقوں میں موسمی ٹمپریچر منفی چار سے پانچ تھا۔اور بعض علاقوں میں ہمارے نگران،مسؤلین اور معتمدین نے انتہائی تکالیف اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے پورا نظم امتحان خوش اسلوبی سے مکمل کیا۔ان علاقوں میں جس ادارے میں سینٹر تھا ان حضرات نے بھی مثالی تعاون کیا اور نگران عملہ سمیت دور دراز سے آنے والے شرکاء امتحان کے قیام طعام کا بھی بندوبست کیا۔اس پر ہم ان کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

2)امتحانات کے کامیاب انعقاد میں مرکزی قائدین کے بعد سب سے اہم ذمہ داریاں صوبائی ناظمین اوران کے معاونین کی ہیں۔یہ ناظمین بھی وہ ہیں جو برسوں سے اس نظام اور ادارے سے منسلک ہیں۔ادارے کے فکری مزاج کے حامل ہیں۔ناظمین حضرات کی اہمیت اس ادارے میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔جو اوپر مرکزی قیادت اور نچلی سطح کے ذمہ داران کے درمیان کا مضبوط رابطوں کا بنیادی ذریعہ ہیں۔

ان فعال ومستعد صوبائی ناظمین میں مولانا امداداللہ یوسف زئی،مولانا حسین احمد،مولانا صلاح الدین ایوبی،مولانا زبیر احمد صدیقی،مفتی عبدالرحمن مدظلہم ہیں۔جبکہ صوبہ کے ان ناظمین کی معاونت کیلئے ڈویژنوں کی سطح پر معاونین بھی موجود ہوتے ہیں۔یہ معاونین اپنے اپنے ڈویژن کے اضلاع کے مسؤلین کے امور کی نگرانی کرتے

ہیں۔جبکہ صوبائی ناظمین کی جانب سے معاونین اور مسؤلین کسی بھی حکم کی فوری پاسداری کرنے کے پابند ہیں۔صوبائی ناظمین دوران امتحان جہاں مرکزی قائدین ومرکزی دفتر سے ہمہ وقت رابطوں میں رہتے ہیں وہیں اپنے معاونین، مسؤلین ومعتمدین کی رہنمائی میں اپنا مؤثر کردارادا کرتے ہیں۔صوبائی ناظمین اوران کے معاونین اپنے اپنے صوبوں کے وسیع علاقوں پھیلے ہوئے امتحانی مراکز میں معائنہ کرتے ہوئے پورے پورے صوبوں کوکور کرتے ہیں۔جس کہ امتحانات شروع ہونے سے قبل نگران عملے کیلئے تربیتی نشستوں کا نظم بھی بناتے ہیں اور پھر امتحان کے آخری روز تمام امور کی تکمیل کے اہم مرحلوں کی بھی نگرانی کرتے ہیں۔

3) اوپر سے لے کر نچلی سطح تک منظم اور فعال اس نظام میں مسؤلین ومعتمدین کا بھی بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔مجموعی طور پر تقریباً دوسو سے زائد مسؤلین کا نیٹ ورک ہے، جبکہ معتمدین کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ امسال امتحان میں نگرانی کی ذمہ داری انجام دینے والوں کی تعداد پچیس ہزار سے زائد تھی۔جو تقریباً تین ہزار آٹھ سو سے زائد امتحانی مراکز میں اپنی مفوضہ ذمہ داریوں میں چھ دنوں تک مصروف عمل رہے ہیں۔

امسال ملک کے اکثر مقامات شدید سردی کی لپیٹ میں ہونے کی وجہ سے کئی مراکز امتحان میں اپنے مکمل روایتی نظم کے مطابق عملدرآمد کو یقینی بنانے میں ان علاقوں کے مسؤلین ونگران عملہ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔اس شدید موسمی اثرات والے علاقوں کے مسؤلین ومعتمدین کی کارگزاری امتحان سے قبل ہی سے آنا شروع ہو جاتی ہے۔اور بڑے حضرات ان علاقوں کی اہمیت کے پیش نظر ہمہ وقت متوجہ رہتے ہیں۔کسی بھی ہنگامی صورتحال میں متبادل آپشن بھی موجود ہوتے ہیں۔نگران عملہ ان علاقوں میں مستقل سات آٹھ روز مقیم ہوتے ہیں۔برف باری سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں پر روزانہ کی بنیاد پر سفر کر کے بڑوں کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق بحفاظت وقت مقررہ پر ہی سوالیہ پرچے پہچانا یقیناً ایک غیر معمولی کام ہوتا ہے۔اس میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں گاڑیاں نہیں جاسکتیں تو وہاں موٹر سائیکل پر جانا بھی کسی بڑے خطرے سے کم نہیں۔حیران کن بات یہ بھی ہے کہ ان میں بعض ایسے دشوار گزار پہاڑی علاقے بھی ہیں جہاں سواری پر بھی جانا مشکل ہوتا ہے؛ تو وہاں کافی دور تک پیدل سفر کر کے جانا پڑتا ہے۔الحمدللہ وفاق المدارس کو ایسے قابل فخر مخلص رفقاء کا ساتھ میسر ہے جو روزانہ اپنی ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لیے برف باری کی حالت میں تین تین چار چار گھنٹوں کا پیدل سفر کر کے اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہیں۔اور امانت ودیانت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنی عظمتوں کی داستانیں رقم کر جاتے ہیں۔ایسے بلند حوصلہ شعاروں کی والہانہ کاوشوں پر ہم ان پر چند الفاظ لکھ کر جہاں خراج تحسین پیش کرتے ہیں وہیں ولایت کے درجوں پر فائز اکابر ومشائخ وقت کی مقبول دعائیں ان کے حق میں مقدر ہو رہی ہوتی

ہیں۔ ہمارے ادارے کے ایسے ہی مخلص مسؤلین ،نگرانی پر مامور عملے کے افراد ہمارے اصل ہیرو ہیں۔

میرا ماننا ہے کہ وفاق المدارس کے نظام اور ادارہ کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی ناکامی میں جہاں دیگر عوامل ہیں وہیں ان جیسے مسؤلین ومعتمدین کی مخلصانہ خدمات کی برکت سے بھی رب تعالیٰ اس عظیم ادارے کے خلاف سازشوں کو ناکام ونامراد فرماتے ہیں۔

4) ملک بھر میں بیک وقت ہونے والے اس امتحان میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں امن وامان اور سیکورٹی کے حوالہ سے کافی مسائل ہیں۔بعض علاقوں میں موسم کی شدت کے ساتھ کرفیو کا ماحول بھی ہے۔اور ان علاقوں میں مدارس کے ساتھ بڑی تعداد میں طلباء بھی زیر تعلیم ہیں۔وہاں بھی وفاق المدارس کے امتحانی مراکز موجود ہیں۔علاقائی سیکورٹی پر مامور حکام کے تعاون سے الحمدللہ وفاق المدارس کے مثالی اور روایتی نظم کے ساتھ امتحان کا مرحلہ مکمل ہوا ہے۔اس نوعیت کے علاقوں میں بھی نگران عملہ اور شرکائے امتحان چھ سات روز امتحانی مراکز میں مقیم رہتے ہیں۔جبکہ معتمدین اور مسؤلین روزانہ کی بنیاد پر مقررہ اوقات میں اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں بجا لاتے ہیں۔تو ان علاقوں میں امتحانات کی کامیابی میں ایسے مخلص احباب کا بھی کلیدی کردار ہوتا ہے اور یہ سب حضرات بھی اصل مبارکباد کے مستحق ہیں۔۔۔۔

5) ان امتحانات کے کامیاب انعقاد پر مذکورہ شعبوں اور افراد میں سب سے بنیادی کردار ہمارے مرکزی دفتر کے ناظم،ان کے معاونین اور شعبوں کے اراکین کا ہے۔میں اپنے دفتر کے ان مخلص حضرات کو اس پورے نظام کا دماغ مانتا ہوں۔جس طرح انسان کا دماغ صحیح کام کر رہا ہو تو پورا جسم صحیح کام کرتا ہے۔اور ہمارے اس دماغ یعنی دفتر والوں کا کام چھ سات روز یا پندرہ بیس دن نہیں بلکہ یکم ربیع الاول سے شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ بروقت داخلوں سے لے کر امتحان کے جملہ لوازمات کی ترسیل تک ان پانچ مہینوں میں رات دن کاموں کا منظم سلسلہ ہوتا ہے۔ ہر سال مدارس اور ان میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کا جیسے جیسے اضافہ ہو رہا ہے اسی طرح وقت سے قبل تیاریوں اور کاموں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔گزشتہ سال مجموعی تعداد میں چوبیس ہزار کا اضافہ ہوا تھا جبکہ اس سال اس تعداد میں مزید اٹھائیس ہزار کا اضافہ ہوا ہے۔اب اس اضافہ کے ساتھ جہاں امتحانی مراکز کا اضافہ ہوتا ہے وہیں نگران عملہ سمیت دیگر کاموں کے افراد میں بھی یقینی اضافہ ناگزیر ہوتا ہے۔پھر نئے آنے والوں کی تربیت سے لے کر مستحق افراد کو مقرر کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔تعداد میں تیزی سے ہونے والے اضافے کے ساتھ اپنے برسوں کے روایتی مثالی نظم کے مطابق تمام امور کو چلانے کی بنیادی ذمہ داری ہمارے مرکزی دفتر کے ان حضرات کی ہے۔اس حوالہ سے راقم نے مستقل مضامین لکھے ہیں۔باذوق حضرات وفاق المدارس کی آفیشل ویب سائٹ پر موجود 'ماہنامہ وفاق

المدارس‘‘ کے سابقہ شماروں میں پڑھ سکتے ہیں۔

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مرکزی دفتر کا کردار صرف امتحانات کے انعقاد تک نہیں ہوتا؛ بلکہ امتحانات کے بعد وقت پر نتائج کے اجراء کے کئی مراحل ہوتے ہیں۔اور ان مراحل کے لئے بھی مہینوں سے کام مرکزی دفتر میں جاری رہتا ہے۔کئی اہم چیلنج انہیں درپیش رہتے ہیں،جن میں سب سے اہم چیلنج وقت مقررہ پر نتائج کا اجراء ہے۔اور نتائج کے بعد وقت مقررہ تک نظر ثانی کا مرحلہ اور اس کے نتائج کا اجراء، پھر ضمنی امتحان کا مرحلہ اور بروقت اس کے نتائج کا اجراء، پھر شعبہ تحفیظ کے دوسرے امتحان کا مرحلہ۔ان تمام مراحل کے کامیاب انعقاد اور اس منظم سسٹم کو چلانے میں اہم اور بنیادی کردار ہمارے مرکزی دفتر وفاق المدارس ملتان کے اراکین کا ہوتا ہے۔

وفاق المدارس کے مذکورہ مختلف شعبوں میں کردار ادا کرنے والوں میں بعض کا کردار کم ہوتا ہے بعض میں زیادہ۔مگر دفتر والوں کا کام تقریباً پورے سال اپنے اپنے مقررہ وقت پر ہونا یہ سب دفتر والوں کی محنتوں و کاوشوں کا ہی ثمرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب؛ مرکزی ناظم دفتر برادرم مولانا عبدالمجید خان مدظلہ،ان کے معاونین، جملہ شعبوں کے ذمہ داران و اراکین کو اپنی شان کے مطابق اجر عطا فرمائیں۔ان کی ہمہ جہت خدمات کو قبول و منظور فرمائیں۔۔۔آمین!۔

6)ان امتحانات کے انعقاد میں ایک اہم کردار وفاق المدارس کی فعال"امتحانی کمیٹی" کا ہے۔دستور کے مطابق اس کمیٹی کے سربراہ ’’صدر وفاق‘‘ ہوتے ہیں، جبکہ اس کے نگران ’’ناظم اعلیٰ‘‘ ہیں۔اس کے موجودہ اراکین میں مولانا امداداللہ یوسف زئی، مولانا حسین احمد، مولانا راحت علی ہاشمی، مولانا حامد حسن، مولانا محمد شمشاد، مولانا عبد الرحیم حسنی، مفتی انس عادل، مولانا عبدالغفار، مولانا حافظ شوکت علی مدظلہ شامل ہیں۔جبکہ مرکزی ناظم دفتر مجلس عاملہ سمیت امتحانی کمیٹی کے اجلاسوں میں مستقل ہوتے ہیں جو فیصلوں کو مرتب کر کے عملدرآمد کیلئے ترتیب بنانے کی اہم ذمہ داری بھی انجام دیتے ہیں۔اراکین امتحانی کمیٹی امتحان کے جملہ امور کی مکمل نگرانی کرتی ہے۔امتحانات میں کسی بھی نوعیت کی تبدیلی و ترمیم، مقررہ تاریخوں کے تعین سمیت تمام امور طے کرتی ہے۔۔۔لاکھوں پرچوں کی جانچ پڑتال (مارکنگ) جیسا اہم ترین کام مکمل طور پر امتحانی کمیٹی کے سپرد ہوتا ہے۔اب دو تین برسوں سے مارکنگ کا عمل بیک وقت چاروں صوبوں میں دس سے بارہ روز تک ہوتا ہے۔جو سالانہ امتحانات کے اختتام کے تین روز بعد شروع ہوجاتا ہے۔صوبہ سندھ میں حضرت صدر وفاق دامت برکاتہم کی سرپرستی میں مولانا امداداللہ یوسف زئی مدظلہ نگران ہوتے ہیں۔جبکہ ان کے ہمراہ مولانا راحت علی ہاشمی، مفتی انس عادل اور مفتی محمد زکریا معاونت میں شامل ہوتے

ہیں۔صوبہ خیبر پختونخوا میں مولانا حسین احمد مدظلہ نگران ہوتے ہیں، جبکہ مولانا سید عبدالبصیر شاہ (رکن عاملہ) مولانا حافظ شوکت علی، مفتی سراج الحسن سلمہم ان کی معاونت کرتے ہیں۔صوبہ پنجاب میں ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری حفظہ اللہ کی سرپرستی اور مولانا عبدالمجید مدظلہ کی نگرانی میں پرچوں کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔جبکہ مولانا حامد حسن، مولانا شمشاد احمد اور مولانا عبدالغفار مدظلہم معاونت کرتے ہیں۔صوبہ بلوچستان میں حضرت مولانا عبد الستار دامت برکاتہم کی سرپرستی میں مولانا عبدالرزاق زاہد مدظلہ نگران ہوتے ہیں، جبکہ مولانا عبدالرحیم حسنی، مولانا حسین احمد نوشکی، مولانا نور المتین مدظلہم معاون ہوتے ہیں۔امتحانی کمیٹی سالانہ امتحانات کے جملہ امور کو انجام دینے سے لے کر امتحانات کے بعد نتائج کی تیاری کے مراحل میں بھی اپنا کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

شعبہ تحفیظ کی امتحانی کمیٹی کچھ عرصہ قبل الگ سے بنائی گئی ہے جو شعبہ امتحان کے نظام کی ترتیب مرتب کرتی ہے۔اس کمیٹی کے سربراہ مرکزی نائب صدر وفاق المدارس حضرت مولانا عبیداللہ خالد مدظلہ العالی ہیں۔الحمدللہ اس کمیٹی کی وجہ سے اب شعبہ تحفیظ کے لئے بھی باقاعدہ امتحانی مراکز کی ترتیب بن گئی ہے۔جبکہ گزشتہ پندرہ سولہ سے سالوں سے کراچی اور پھر لاہور سمیت بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔اب ملک بھر کے لیے امتحانی مراکز کا قیام لازمی کر دیا گیا ہے۔شعبہ تحفیظ کی اس امتحانی کمیٹی کے اراکین میں مولانا قاری احمد میاں تھانوی، مفتی محمد خالد، مولانا عبدالوحید، مولانا قاری عزیز الرحمن، قاری غلام رسول، قاری عبدالغفور مدظلہم شامل ہیں۔

بہرحال امتحانات کے کامیاب انعقاد میں ان امتحانی کمیٹیوں کا کردار پر حوالہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔کیونکہ امتحانات کے انعقاد سے لیکر نتائج تک۔امتحان کی تاریخوں کے اجراء سے لیکر امتحانات کیلئے تمام ضروری امور کو طے کرنا بنیادی طور اس کمیٹی کا ہوتا ہے۔

7) امتحانات کے اس کامیاب انعقاد میں وفاق المدارس کے شعبہ ذرائع ابلاغ یعنی میڈیا کا بھی ایک کردار ہے۔۔۔الحمدللہ تقریبا سال بھر وفاق المدارس کے تمام ضروری و اہم اعلانات کو ان ملحق ہزاروں مدارس تک پہنچانے میں جہاں بنیادی کردار ہے وہیں میڈیا کے تمام ذرائع میں مؤقر و مؤثر ترجمانی کرنے کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔اکابر وفاق، امتحانی کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں بروقت ترویج کرنا بھی شامل ہے۔سال بھر ادارے کی جانب سے جو باضابطہ پالیسیاں ہوتی ہیں ان کا بروقت اجراء کرنا بھی وفاق المدارس میڈیا والوں کا کام ہے۔امتحانات سے قبل مستقل الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا پر آفیشل اور باضابطہ طور ترویج کرنے میں ہمارے فعال ساتھیوں کا بھرپور کردار ہے۔ملک بھر کے ملحق مدارس کے حوالہ سے روزمرہ کی اہم اطلاعات ہوں یا مرکزی وصوبائی قائدین کی جانب سے پالیسی بیان جاری کرنے کی ذمہ داری بھی ہے۔مرکزی مجلس عاملہ کے

اجلاس کے تناظر میں اعلامیہ ہو یا مرکزی دفتر کی جانب سے اعلانات ہو۔ان سب کی بروقت ترویج وتشہیر کی ذمہ داری انجام دینے کی کوششیں الحمدللہ بخوبی انجام دی جارہی ہیں۔۔۔مرکزی وصوبائی اجلاسوں کی کاروائیاں اور جامع انداز میں مرتب کر کے شائع کرنا بھی میڈیا سینٹر والوں کا کام ہے۔

آئے روز مدارس اور وفاق المدارس کے مختلف کاموں کے حوالہ سے منفی پروپیگنڈوں کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔میڈیا کی مادر پدر آزاد دنیا میں آئے روز دین اور دینی تعلیم کو طنز وتشنیع کا نشانہ بنایا جانا کافی عام ہو چکا ہے۔کسی بھی معمولی نوعیت کی بات کو جواز بنا کر بڑے بڑے نامور میڈیا ہاؤس سے لیکر مقتدر میڈیائی پرسنیلیٹی اس نوعیت کے کاموں میں آئے روز نمایاں ہوتے ہیں۔ان سب حوالوں سے وفاق المدارس کے میڈیا سینٹر سے منسلک افراد اپنا مؤثر اور فعال کردار الحمدللہ بخوبی انجام دیتے ہیں۔

بعض مرتبہ پروپیگنڈوں کا زور عروج پر ہوتا ہے اور ہم پر فوری ردعمل کا کیلئے دباؤ بھی ہوتا ہے۔مگر ہم جذبات کی رَو میں بہہ کر جلد بازی کے بجائے اپنے بڑوں کی ہدایت کی روشنی میں پالیسی بیان جاری کرتے ہیں۔بعض معاملات کی نوعیت حساس ہوتی ہے اس لئے بڑوں کی ہدایت کی روشنی میں ہی ہم اس پر ردعمل دیتے ہیں۔میڈیا کے ہم ذمہ داران اپنے بڑوں سے مکمل مشاورت میں رہتے ہیں اور ہر حوالہ سے ان بڑوں کو مطلع کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔اخبارات وجرائد اور میڈیا چینل پر وفاق المدارس کے مضبوط موقف کو دلائل کی ساتھ قلمی اظہار کرنا بھی مستقل ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔۔۔۔میڈیا کے تمام ذرائع پر ہر وقت باخبر رہنا اور نظر رکھنا ہوتی ہے۔تاکہ کسی بھی صورتحال میں وفاق المدارس اور مدارس دینیہ کی مؤثر نمائندگی کیلئے تیار رہیں۔

سال بھر مختلف اجلاسوں کی روشنی میں کارگزاریاں مرتب کرنا۔۔۔قائدین کے اہم بیانات کو مرتب کرنا اور ان کا ریکارڈ محفوظ رکھنا بھی ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہے۔عمومی نوعیت کے ضروری اعلانات بروقت پبلک کرنا بھی ہمارا کام ہے۔اور بعض عمومی نوعیت سے ہٹ کر صرف منتخب حضرات کیلئے ضروری مراسلے بھی ہوتے ہیں وہ ان تک پہنچانا۔وفاق المدارس سے منسلک مختلف شعبوں کیلئے جو اطلاع یا اعلان ہو اس کو جاری کرنا بھی ہمارے کاموں میں شامل ہیں۔ماہنامہ ''وفاق المدارس'' جو وفاق کا ترجمان اور آرگن جریدہ ہے۔جو پاکستان کے چند دینی جرائد میں سے جو سب سے زیادہ شائع ہوتا ہے۔وفاق المدارس سے ملحق تمام مدارس وجامعات کیلئے اس رسالہ کی سالانہ فیس لی جاتی ہے، یہ اس لئے ضروری اور لازمی رکھا گیا ہے تاکہ ادارہ سے متعلق تمام ضروری ہدایات اور اہم اعلانات و اطلاعات اس میں ہوتی ہیں۔وفاق المدارس کے حوالہ سے ضروری اجتماعات کی کارگزاری مرتب کر کے ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے مدیر کو ارسال کرنا بھی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

امتحانات سے لے کر نتائج کے اجراء تک۔نظر ثانی اور ضمنی امتحان سے لیکر ان کے نتائج کے اجراء کی بروقت اطلاعات پہنچانے کی ذمہ داریوں کو الحمدللہ گزشتہ کئی سالوں سے بہترین انداز میں انجام دے رہے ہیں۔میڈیا کی ذمہ داریوں میں ''راقم'' کے ساتھ برادرم مولانا عبدالقدوس محمدی، برادرم مفتی سراج الحسن سلمہم سمیت ماہنامہ 'وفاق المدارس'' کے مدیر مولانا محمد احمد حافظ سلمہ ہیں۔ہمارے یہ رفقاء میڈیا کے شعبہ کے علاوہ ادارہ کی دیگر مختلف ذمہ داریوں سے بھی منسلک ہیں۔بہرحال۔اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔آمین!۔

(بقیہ: نتائج کی تیاری، تفتیش اوراق کی تکمیل)

الحمدللہ امسال 1447ھ کے سالانہ امتحانات کے نتائج کی تیاری کا یہ اہم مرحلہ اپنی حسین روایت اور مثالی نظم کے تحت خوش اسلوبی سے مکمل ہوا۔اس مرحلے کے کامیاب انعقاد میں بلاشبہ مرکزی قائدین، اراکین امتحانی کمیٹی، مرکزی دفتر ملتان کی پوری ٹیم اور سیکڑوں فعال ممتحنِ اعلیٰ و ممتحنین کی مشترکہ کاوشیں شامل رہیں۔اللہ تعالیٰ تمام حضرات کی خدمات کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔اور آئندہ کے مراحل کو بھی خوش اسلوبی سے پائے تکمیل تک پہنچائیں۔آمین!۔

علماءِ حق کا کردار

علماء حق جو دین حق کی حفاظت پر مامور ہیں ان کا کارِ منصبی یہی ہے کہ وہ اس راہ میں ڈگمگائے بغیر اپنی ڈیوٹی انجام دیں......الامام الکبیر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حضرت العلام مولانا انور شاہ کاشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، بانیٔ تبلیغ مولانا محمد الیاس دہلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ تعالیٰ......اور ہمارے دیگر اکابر دیوبند......جن کے نام لینے پر اور جن سے وابستگی پر ہمیں فخر ہے......ان اکابر نے اپنے شاگردوں کو قرآن وحدیث کے محض الفاظ اور ان کے نقوش نہیں پڑھائے تھے بلکہ ان کی اپنی زندگیاں بھی سنتِ نبوی کا پَرتو تھیں۔ان کے علم اور عمل میں یکساں نیت تھی۔مدرسۂ دیوبند محض درودیوار اور محراب وگنبد کا نام نہ تھا بلکہ اس مدرسہ کے مکین ایسے تھے جن کے کردار میں صحابہ کے اُجلے نقوش ہویدا تھے، ایک وقت تھا جب یہاں کا ایک ایک فرد سنتِ نبوی کے سانچے میں ڈھلا نظر آتا تھا۔آج جو لوگ ان کے نام لیوا ہیں ان سے بھی یہی کردار مطلوب ہے، ورنہ تو جدیدیت کا عفریت ہم سب کو نگل جانے کو ہے۔(محمد احمد حافظ)

نتائج کی تیاری، تفتیش اوراق کی تکمیل

صاحبزادہ مولانا طلحہ رحمانی

پاکستان میں مدارسِ دینیہ کے سب سے بڑے تعلیمی اور امتحانی بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت سالانہ امتحانات میں لاکھوں طلباء وطالبات شریک ہوئے۔جس میں ایک لاکھ سولہ ہزار سے زائد حفاظ وحافظات نے امتحان دیا۔جبکہ ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد شرکاء نے اکیس درجات میں امتحان دیا۔اپنی روایات کے مطابق مثالی نظم وضبط کے ساتھ ہونے والے اس امتحان کے نتائج کی تیاری کے مراحل میں سب سے اہم مرحلہ لاکھوں پرچوں کی شفاف جانچ پڑتال اور مارکنگ کا عمل ہوتا ہے۔تفتیشِ اوراق کا عمل دس سے گیارہ روز میں مکمل کیا جاتا ہے۔ہرسال کی مانند امسال بھی مجموعی طور پر شرکائے امتحان کی تعداد میں حیران کن اضافہ ہوا۔تو اسی مناسبت سے تفتیشِ اوراق یعنی مارکنگ کے عمل میں شریک ہونے والے ممتحنین کی تعداد میں بھی اضافہ ناگزیر تھا۔امسال مجموعی شرکائے امتحان کی تعداد میں اٹھائیس ہزار سے زائد کا اضافہ ہوا۔تعداد میں یہ اضافہ ابتدائی درجات کے طلباء وطالبات میں زیادہ ہوتا ہے۔اس لیے ثانویہ تک کے درجات میں پرچوں کی کثرت کی وجہ سے ممتحنین کی تعداد بھی اسی مناسبت سے کی جاتی ہے۔

گزشتہ تین چار سالوں سے نتائج کی تیاری کے اس اہم مرحلے کو چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔اس کی بنیادی وجہ ممتحنین کی تعداد کا زیادہ ہونا ہے۔اتنی بڑی تعداد میں ایک جگہ پر مکمل انتظام کے ساتھ اہتمام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔کیونکہ دس بارہ روز تک ملک بھر سے تشریف لائے ہوئے ممتحنین کو قیام وطعام کے ساتھ دیگر سہولیات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

مجموعی طور پر ملک بھر کے تین ہزار آٹھ سو ستتر (3877) امتحانی مراکز کی جوابی کاپیوں کی مجموعی تعداد بتیس لاکھ چھپن ہزار تین سو اڑسٹھ (3256368) تھی۔اس میں گزشتہ سال کی نسبت ایک لاکھ اڑتالیس ہزار ایک سو اٹھاون (148158) کا بڑا اضافہ ہوا۔

ملک بھر کے امتحانی مراکز سے جو ڈاک کے پارسل بنڈل کی شکل میں ملتان دفتر پہنچے، ان کی مجموعی تعداد تیئیس ہزار دو سو باسٹھ (23262) تھی۔گزشتہ سال کی نسبت اٹھارہ سو نوے (1890) بنڈل کا اضافہ ریکارڈ ہوا۔

ان لاکھوں جوابی کاپیوں کا وزن امسال سو (100) میٹرک ٹن سے زائد تھا۔

ملک بھر کے امتحانی مراکز کیلئے مکمل حفاظت کے ساتھ اتنی بڑی تعداد اور وزن کی امتحانی کاپیوں کی امتحانات سے قبل وقتِ مقررہ پر ترسیل ہوتی ہے۔ پھر امتحانات کے بعد ملک بھر سے یہ لاکھوں جوابی کاپیاں مرکزی دفتر ملتان واپس آتی ہیں۔ اور پھر وہاں ان کا ایک پراسس ہوتا ہے۔

اس پراسس میں لاکھوں جوابی کاپیوں پر موجود سلپ یعنی بطاقہ کو الگ کر کے محفوظ کیا جاتا ہے اور ان کاپیوں پر فرضی رول نمبر کا اجراء ہوتا ہے۔ یہ عمل وفاق المدارس کی شفاف مارکنگ کو یقینی بنانے کیلئے کیا جاتا ہے تاکہ پرچہ چیک کرنے والے کے سامنے شریک امتحان کا نام، ادارہ یا کوئی بھی شناخت ظاہر نہ ہو۔ پھر ان جوابی کاپیوں کو ایک خفیہ سیریل نمبر کے اعتبار سے دو دو سو کے بنڈل کی شکل میں الگ کیا جاتا ہے۔ پھر ان دو دو سو والے بنڈل کو ایک بڑی واٹر پروف بوری میں سیریل نمبر کے اعتبار سے پیک کیا جاتا ہے۔

مذکورہ پراسس کے بعد چاروں صوبوں میں ملتان دفتر کے ذمہ داران اپنی نگرانی میں بحفاظت لے کر جاتے ہیں۔ پھر چاروں صوبوں میں سیریل نمبر کی ترتیب سے وہ بوریاں ممتحنِ اعلیٰ حضرات کے حوالہ کی جاتی ہیں۔ اس پورے عمل میں معمولی معمولی بنیادی اور اہم باتوں کا صرف خیال ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ تحریری صورت میں بھی بطور ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مرکزی دفتر میں انٹری اور ایگزٹ بھی نوٹ ہوتا ہے۔

ممتحنِ اعلیٰ حضرات تفتیشِ اوراق (مارکنگ) کے بعد نمبرات کے اندراجات کے ساتھ ملتان دفتر کے انہی ذمہ داران کے حوالہ کرتے ہیں جو ان چاروں مقامات پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ ذمہ داران اپنی تحویل میں لے کر مارکنگ کے بعد بحفاظت ان لاکھوں پرچوں کو واپس ملتان دفتر پہنچاتے ہیں۔ اس پورے عمل میں جہاں سیکڑوں افراد انتہائی فعال ومستعد انداز میں کام کرتے ہیں وہیں اتنی بڑی تعداد میں بڑے بڑے کانٹینرز کے ذریعہ بروقت ملتان پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں ان لاکھوں پرچوں کو ایک بڑے وسیع گودام میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

کیونکہ نتائج کی تیاری کے دوران اور نتائج کے بعد بھی ان لاکھوں پرچوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر درجہ کے ٹاپ تیس (30) طلباء وطالبات کے پرچوں کی سہ بارہ چیکنگ کا لازمی عمل ہوتا ہے۔ اور نتائج کے بعد تقریباً ایک سے ڈیڑھ ماہ تک نظرِ ثانی کی درخواستوں کی وصولی کے دوران بھی ان پرچوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بہرحال بہترین، شفاف اور منظم انداز میں دس گیارہ روزہ مارکنگ کے عمل کا پہلا اہم مرحلہ مکمل ہوتا ہے۔ اس دوران معیار اور یکساں نتائج کی تیاری کیلئے جو بھی ضروری اقدامات ہوتے ہیں، ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ جبکہ وقتِ مقررہ پر پورا کرنا بھی یقیناً ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ نتائج کی تیاری کے تمام مراحل یکے بعد دیگرے اپنے اپنے وقت میں مکمل کیے جاتے ہیں۔ ان مراحل کیلئے مارکنگ کے عمل میں حصہ لینے والوں کے علاوہ تقریباً تین سو سے زائد عملہ

انتہائی جانفشانی سے کام کرتا ہے۔جس کی مکمل نگرانی مرکزی ناظمِ دفتر مولانا عبدالمجید مدظلہ کرتے ہیں۔یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہونی چاہیے کہ ملتان دفتر کے دیگر شعبوں میں کام اپنی ترتیب کے مطابق جاری رہتا ہے۔جبکہ شعبہ تحفیظ کے نتائج پر کام درجاتِ کتب کے امتحان کے دوران ہی شروع ہوجاتا ہے۔کیونکہ ان کی تعداد بھی امسال ایک لاکھ سولہ ہزار سے زائد تھی۔

صوبوں کو جانے والے پرچے صرف اسی صوبے کے نہیں ہوتے بلکہ چاروں صوبوں سمیت آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے امتحانی مراکز کے بھی ہوتے ہیں۔کون سا پرچہ کس صوبے میں ہوگا۔اس کا مکمل نظم وفاق المدارس کی فعال امتحانی کمیٹی کرتی ہے۔امتحانی کمیٹی کی سربراہی صدرِ وفاق کرتے ہیں اور نگرانی ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس کرتے ہیں۔

تفتیشِ اوراق کے اس مکمل عمل میں اراکینِ امتحانی کمیٹی کی باقاعدہ ان ایام میں تشکیل ہوتی ہے۔جو دس بارہ روز رات دن موجود ہوتے ہیں۔روزانہ صبح تمام ممتحنِ اعلیٰ حضرات کے ساتھ مفصل نشست ہوتی ہے۔جس میں یومیہ کارکردگی سمیت امور پر مشاورت ہوتی ہے۔جن پرچوں کی مارکنگ ہورہی ہوتی ہے،ان کی مزید باریک بینی سے نظرِ ثانی بھی کی جاتی ہے۔معمولی سے معمولی چیزوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔اور فوری عمل درآمد بھی کیا جاتا ہے۔اس دوران صدرِ وفاق اور ناظمِ اعلیٰ دامت برکاتہم بھی ان امور کا جائزہ لیتے ہیں۔جو ان ایام میں مختلف صوبوں میں تشریف لے جاتے ہیں۔ممتحنِ اعلیٰ حضرات کے ساتھ یومیہ خصوصی اجلاس میں بھی شریک ہوتے ہیں اور مارکنگ کے عمل میں شریک علماء سے عمومی خطاب بھی کرتے ہیں۔

امسال ملک کے چار صوبوں کے پانچ مقامات پر تفتیشِ اوراق کا عمل الحمدللہ مکمل ہوا۔تین صوبوں کے علاوہ صوبہ خیبر پختونخوا میں ممتحنین کی کثرت کی وجہ سے دوسری جگہ بھی رکھی گئی۔

صوبہ بلوچستان میں امسال تفتیشِ اوراق یعنی مارکنگ کا عمل حسبِ سابق جامعہ امدادیہ سریاب روڈ کوئٹہ میں ہوا۔جس کے نگران مولانا عبدالرزاق زاہد مدظلہ تھے،جبکہ ان کی معاونت کیلئے رکن امتحانی کمیٹی مولانا عبدالرحیم حسنی،مولانا نورالمتین،مولانا حفیظ الرحمن (مسؤول وفاق کوئٹہ) تھے۔جبکہ سولہ (16) ممتحنِ اعلیٰ اور سولہ (16) ان کے معاونِ خصوصی تھے۔جبکہ ممتحنِ اعلیٰ کے دیگر معاونین بیالیس (42) تھے۔ممتحنین کی تعداد چارسو اکیس (421) تھی۔اس طرح ممتحنین کی مجموعی تعداد چارسو پچانوے (495) تھی۔۔۔خدام کی تعداد ننانوے (99) تھی۔اس طرح صوبہ بلوچستان میں دس سے گیارہ روز تک تفتیشِ اوراق میں ممتحنین اور خدام کی مجموعی تعداد پانچ سو چورانوے (594) تھی۔

صوبہ سندھ میں تفتیشِ اوراق کا مکمل عمل جامعہ دارالعلوم کراچی میں صدر وفاق شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی سرپرستی میں ہوا۔جس کے نگران ناظم وفاق المدارس سندھ، رکن امتحانی کمیٹی و مجلسِ عاملہ مولانا امداداللہ یوسف زئی مدظلہ تھے۔ان کی معاونت کیلئے امتحانی کمیٹی کے اراکین مولانا راحت علی ہاشمی اور مفتی انس عادل مدظلہم تھے۔جبکہ مفتی محمد زکریا، مسؤول وفاق المدارس ضلع ملیر، بھی معاون نگران تھے۔ممتحنِ اعلیٰ چوبیس (24) اوران کے معاونِ خصوصی کی تعداد بھی چوبیس (24) تھی۔ممتحنِ اعلیٰ کے دیگر معاون حضرات کی تعداد چونسٹھ (64) تھی۔جبکہ ممتحنین کی تعداد چھ سو چوالیس (644) تھی۔یوں ممتحنین کی مجموعی تعداد سات سو چھپن (756) تھی۔خدام کی تعداد ایک سو اکاون (151) تھی۔اس طرح صوبہ سندھ میں مارکنگ کیلئے مجموعی طور پر نو سو سات (907) افراد کو متعین کیا گیا تھا۔

صوبہ پنجاب میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں ناظمِ اعلیٰ وقائدِ وفاق المدارس مولانا محمد حنیف جالندھری حفظہ اللہ کی سرپرستی میں تفتیشِ اوراق کا عمل مکمل ہوا۔اراکین امتحانی کمیٹی مولانا حامد حسن، مولانا محمد شمشاد اور مرکزی ناظم دفتر مولانا عبدالمجید مدظلہم کی نگرانی میں مارکنگ مکمل ہوئی۔تینتیس (33) ممتحنِ اعلیٰ، تینتیس (33) معاونِ خصوصی اور پچاسی (85) معاون تھے۔جبکہ ممتحنین کی تعداد آٹھ سو پچاس (850) تھی۔اس طرح مجموعی طور پر ایک ہزار ایک (1001) افراد تفتیشِ اوراق میں مصروفِ عمل تھے۔خدام کی تعداد دو سو (200) تھی۔یوں ملتان میں اس پورے نظام میں مجموعی طور پر بارہ سو ایک (1201) افراد شامل تھے۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں دو مقامات پر تفتیشِ اوراق کا عمل دس سے گیارہ روز تک جاری رہا۔دونوں جگہوں کے نگران وفاق المدارس صوبہ خیبر پختونخوا کے ناظم ورکنِ عاملہ مولانا حسین احمد مدظلہ تھے۔جبکہ ان کی معاونت کیلئے رکنِ عاملہ مولانا سید عبدالبصیر شاہ، اراکین امتحانی کمیٹی مولانا حافظ شوکت علی، مولانا عبدالغفار اور معاونِ خصوصی برائے صوبائی ناظم و میڈیا کوآرڈینیٹر خیبر پختونخوا مفتی سراج الحسن مدظلہم تھے۔صوبہ کے ان دو مقامات میں ایک دارالعلوم اسلامیہ امدادیہ درویش مسجد صدر پشاور اور دوسرا جامعہ دارالفرقان حیات آباد تھا، جہاں دس سے گیارہ روز تک مارکنگ کا عمل جاری رہا۔درویش مسجد پشاور میں سولہ (16) ممتحنِ اعلیٰ اور سولہ (16) معاونِ خصوصی تھے۔جبکہ ممتحنین کی تعداد چار سو تیس (430) تھی۔جبکہ حیات آباد میں ممتحنِ اعلیٰ نو (9) اور معاونِ خصوصی بھی نو (9) تھے۔جبکہ ممتحنین کی تعداد دو سو تیس (230) تھی۔دونوں جگہوں پر معاونین کی تعداد چونسٹھ (64) تھی۔اور خدام کی تعداد ایک سو اکاون (151) تھی۔اس طرح صوبہ خیبر پختونخوا میں مجموعی طور پر نو سو پانچ (905) افراد اس نظام میں شریک تھے۔(بقیہ صفحہ نمبر: ۴۳)

بین الصوبائی تبادلے، نظمِ وفاق کی مضبوطی اور علمی ہم آہنگی کا روشن باب

مولانا مفتی سمیع الرحمٰن

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جانب سے بین الصوبائی تبادلے کا نظام درحقیقت ایک ایسا بصیرت افروز اور دُوررس نتائج کا حامل اقدام ہے جو بظاہر انتظامی امور سے تعلق رکھتا ہے، مگر اپنی حقیقت میں ایک ہمہ جہت اصلاحی عمل ہے۔ اس کا مقصد صرف نگرانی یا تبادلہ نہیں بلکہ وفاق نظم ونسق کو مضبوط اور مؤثر بنانا، اہلِ علم کے مابین علمی تبادلے کو فروغ دینا، فکری ہم آہنگی پیدا کرنا اور مختلف علاقوں کے انتظامی تجربات کو ایک دوسرے سے سیکھنا اور قابل عمل بنانا ہے۔ ہم آہنگی کی یہ صورتیں وفاق جیسے ادارے کے لئے استحکام اور ارتقا کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسی فکری اور انتظامی اساس نے وفاق المدارس کو ایک ننھے پودے سے تناور درخت میں تبدیل کر کے علومِ نبوت کو ایک مضبوط، سایہ دار اور ثمر آور سائبان عطا کیا ہے۔ محدثِ عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کی شبانہ روز محنت، اخلاص اور گہری بصیرت کے جو ثمرات آج شہر شہر اور قریہ قریہ محسوس کیے جا رہے ہیں، ان کی حفاظت اور بقا دینی مدارس کے ہر استاذ اور ہر طالبِ علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اسی فکری وراثت کی حفاظت کے لیے اکابرینِ وفاق نے بین الصوبائی تبادلے کا جو فیصلہ کیا، وہ دراصل اسی تسلسل کی ایک عملی اور زندہ کڑی ہے۔

اسی نظام کے طفیل راقم الحروف کو استاذِ مکرم مولانا عبید اللہ خالد صاحب دامت برکاتہ، رئیس جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی اور نائب صدر وفاق المدارس، کے حکم پر جامعہ کے دو جلیل القدر اساتذہ، مفتی مشتاق احمد خان اور مفتی محمد وقاص کے ہمراہ، بحیثیت نگرانِ اعلیٰ جامعہ خیر المدارس ملتان میں حاضری کی توفیق ملی۔

ملتان سے مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب پیشگی رابطے میں تھے اور ہماری آمد کے منتظر تھے۔ انہوں نے نہایت خلوص، محبت اور حسنِ سلوک کے ساتھ ہماری پذیرائی فرمائی۔ مزید یہ کہ ذہنی فرحت اور طبعی تازگی کے لیے ایک دن ہمیں ملتان کی تاریخی یادگاروں کی سیر بھی کروادی، جس کے بعد یہ حقیقت شدت سے محسوس ہوئی کہ یہ شہر محض جغرافیائی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ صدیوں سے علم، تصوف اور دعوت کا مرکز رہا ہے۔ اولیائے کرام کی سرزمین، قدیم علمی روایت، درسگاہوں کا تسلسل اور دینی ذوق کی گہری جڑیں ملتان کو ایک منفرد علمی شناخت عطا کرتی ہیں۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں سے اٹھنے والی علمی وفکری تحریکوں نے پورے خطے کو متاثر کیا، اور آج بھی اس

شہر کی فضا میں علم و ادب کی خوشبو محسوس کی جا سکتی ہے۔

جامعہ خیر المدارس ملتان میں قیام کے دوران جو منظر بار بار دل کو خوشی اور اطمینان سے بھر دیتا رہا، وہ طلبہ کا ادب، انکساری اور علمی ذوق تھا۔ بیرونِ صوبہ سے آنے والے علماء کو انہوں نے محض مہمان نہیں سمجھا بلکہ اپنے حقیقی اساتذہ کا درجہ دیا۔ امتحانی ہال میں دی گئی ہدایات کو توجہ سے سننا، رہنمائی کو سعادت جاننا اور عملی طور پر احترام و اطاعت کا مظاہرہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ہمارے دینی مدارس آج بھی احترامِ علم اور تعظیمِ اہلِ علم کی اس عظیم روایت کے امین ہیں جو صدیوں سے دینی تعلیم کا خاصہ رہی ہے۔

یہی ماحول دراصل بین الصوبائی تبادلے کے حقیقی فوائد کو نمایاں کرتا ہے۔ مختلف صوبوں کے علماء کرام جب ایک دوسرے کے علمی تجربات، تدریسی اسالیب اور انتظامی نظم سے براہِ راست واقف ہوتے ہیں تو فکر میں وسعت اور نظر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے، اور اصلاح و بہتری کے کئی نئے دَر وَا ہوتے ہیں۔ طلبہ کے لیے بھی یہ ایک نادر موقع ہوتا ہے کہ وہ مختلف علمی مزاج اور اندازِ تربیت سے استفادہ کریں، جس کے نتیجے میں ان کی ذہنی نشوونما، فہم اور بصیرت میں پختگی آتی ہے۔ گویا بین الصوبائی تبادلہ کا یہ فیصلہ علمائے کرام اور طلبائے عظام کے لئے عملی تربیت گاہ کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں وہ اپنے علم و تجربے کو نئے ماحول میں آزما کر مزید نکھارتے ہیں اور دوسروں کے تجربات سے سیکھ کر اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔

قیامِ ملتان کو غنیمت جانتے ہوئے ہماری یہ کوشش رہی کہ علم و فکر کے مختلف حلقوں سے استفادہ کیا جا سکے۔ جمعیت علماء اسلام تحصیل سٹی و صدر ملتان کے جنرل سیکٹری مولانا یوسف مدنی صاحب نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی، وہ اہل علم سے ملاقات کے لئے پہلے سے وقت لے لیتے اور سواری کا انتظام بھی کر لیتے، یوں ملاقات کے مواقع بآسانی بنتے گئے۔ ایک مدت سے یہ خواہش دل میں پنپ رہی تھی کہ مرکزی ختمِ نبوت لائبریری ملتان کا مشاہدہ کیا جائے، کیونکہ عصر حاضر میں قادیانیت اور ردِقادیانیت پر سب سے وقیع اور جامع مواد اسی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہاں نادر کتب، تاریخی دستاویزات اور مختلف رسائل و جرائد کی مکمل فائلیں نہایت اہتمام سے محفوظ کی گئی ہیں، جو علمی تحقیق کے لیے ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس شوق زیارت میں دفتر ختم نبوت پہنچے، جہاں مولانا وسیم اسلم صاحب نے پوری لائبریری کا تفصیلی دورہ کرایا اور ساتھ ساتھ مختلف کتب و رسائل کے تعارف ان کی تاریخی اہمیت اور تحقیقی قدر پر مفید گفتگو بھی فرماتے رہے، جس سے معلومات میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ بعد ازاں شاہین ختم نبوت مولنا اللہ وسایا کی خدمت میں حاضر ہوئے، علیک سلیک کے بعد راقم نے اپنی کتاب "مشاہیر علمائے ڈیرہ غازی خان" آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے تفریحی لہجے میں فرمایا: بھائی! یہ کتاب تو میں پہلے ہی سے منگوا کر اس

کا مطالعہ بھی کر چکا ہوں۔ پھر کتاب کے متعلق حوصلہ افزا کلمات ادا فرمائے۔ بزرگوں کا ایسا نرم اور مہربان رویہ چھوٹوں کے اعتماد کو بڑھاتا اور دل کو اطمینان بخشتا ہے۔ بندہ نے عرض کیا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتابوں کے بعد اب آپ کی کتابیں ہی ایسا علمی خزانہ بن چکی ہیں کہ جن سے مزید کئی تصانیف وجود میں آتی رہیں گی اور یوں آپ کے لیے صدقۂ جاریہ کی نئی صورتیں بنتی رہیں گی۔

یہ سن کر مسکرائے، پھر میری بات کی تائید کرتے ہوئے فرمایا : واقعی ایسا ہی ہے، ان کتابوں میں اتنا مواد موجود ہے جو نئی علمی کاوشوں کی بنیاد بن سکے۔ اسی دوران میں نے قادیانیت کے خلاف انیس سو چوالیس میں ڈیرہ غازی خان کی برٹش عدالت میں ہونے والے تاریخی مقدمے اور فیصلے کے متعلق استفسار کیا کہ اس مقدمہ کو بہاولپور کے مقدمہ کی طرح شہرت کیوں نہ مل سکی حالانکہ اس کی پیروی کے لئے مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اور مولنا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ سمیت دیوبند سے علماء کرام کی ایک جماعت تشریف لائی تھی؟۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے آہ بھر کر ارشاد فرمایا کہ جب محترم رفیق تارڑ صاحب ڈیرہ غازی خان کی عدالت میں جج بن کر آئے تو ان کو اس مقدمہ کی کاروائی پڑھنے کا اشتیاق ہوا، انہوں نے وہ فائل منگوا کر مطالعہ کی اور ملازم کو واپس رکھ دینے کا کہا۔ اس کے بعد معلوم نہیں ملازم نے اس فائل کو اپنی جگہ پر رکھنے کی بجائے کہیں اور رکھ دی، یا اسے ضائع کر دیا، یا رکھی ہی نہیں، یا کسی کے حوالے کر دی، اس لئے تلاش بسیار کے باوجود وہ فائل میسر نہیں ہو رہی، جس ریکارڈ خانہ میں ایک صدی کے مقدمات کی فائلیں رکھیں ہیں وہ گرد و غبار سے اٹا پڑا ہے، بلکہ اس میں حشرات الارض اور سانپوں نے بسیرا کر رکھا ہے اس لئے اب کوئی مرد قلندر ہی اس کو تلاش کر سکتا ہے، فائل نہ ملنے کی وجہ سے مقدمہ ڈیرہ غازی خان زیر بحث نہیں آتا، بہر حال مولانا اللہ وسایا صاحب سے یہ ملاقات ایک یادگار لمحہ ثابت ہوئی۔

ملتان کا تذکرہ اس وقت تک نامکمل ہے جب تک حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے خانوادے کا تذکرہ نہ ہو، مولانا یوسف مدنی اور قاری ذوالکفل کی معیت میں دارِ بنی ہاشم مدرسہ معمورہ میں حاضری ہوئی، قائدِ احرار حافظ سید کفیل شاہ بخاری اور مولانا معاویہ شاہ بخاری سے ملاقات کا شرف ملا، فکری اور عصری امور پر سنجیدہ تبادلۂ خیال ہوا، جس سے یہ احساس ابھرا کہ جب دینی قیادت علم، بصیرت اور اخلاص کے ساتھ میدان میں موجود ہو تو وہ صرف ماضی کی نمائندہ نہیں رہتی بلکہ حال اور مستقبل کی راہنمائی بھی کرتی ہے۔

جامعہ قاسم العلوم ملتان کی حاضری نے ایک الگ ہی تاثر چھوڑا۔ یہ ادارہ اکابرینِ دیوبند کی اس ہمہ گیر اور متوازن فکر کا مظہر ہے جس میں علم اور سماج، دین اور سیاست ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ مربوط نظر آتے ہیں۔

مفتی عامر محمود صاحب قاسم العلوم کے نائب مہتمم ہیں۔ وہ اپنی دانش مندی سے علم وسیاست کی ایک ساتھ آبیاری کر رہے ہیں، ان کی مسلسل محنت، طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد، تعلیمی سرگرمیوں کی رونق اور ادارے کا زندہ ماحول قاسم العلوم کی نشاۃِ ثانیہ کا اعلان کر رہا تھا۔ ان کی گفتگو سے محسوس ہوا کہ وہ مدرسہ اور سیاست کے درمیان ایک باوقار فاصلہ رکھتے ہوئے دونوں کو فروغ دینے کا سلیقہ رکھتے ہیں، جو آج کے پیچیدہ حالات میں ایک نادر صلاحیت ہے۔ انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جامعہ قاسم العلوم میں شعبۂ تصنیف قائم کیا گیا ہے، جہاں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے دروسِ ترمذی پر مشتمل وہ نادر مواد، جو بڑی جدوجہد کے بعد حاصل ہوا، من وعن شائع کرنے کا ارادہ ہے اور اس پر عملی کام شروع ہو چکا ہے۔ اس منصوبے کی براہِ راست نگرانی مولانا فضل الرحمن صاحب فرما رہے ہیں، مقدمہ مکمل ہو چکا ہے اور اس وقت اصلاح کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب بذاتِ خود اس کی اصلاح فرما رہے ہیں۔

قاسم العلوم کے شیخ الحدیث مولانا قاری طاہر امیر رحیمی صاحب نے دوبارا اپنے ادارے مدرسہ رحیمیہ فتح العلوم میں بلاکر عزت بخشی۔ ایک باوقار مدرس، خوددار عالم اور صاحبِ علم شخصیت کی صحبت میں بیٹھ کر یہ بات اور زیادہ واضح ہوئی کہ علم صرف کتابوں سے نہیں بلکہ کردار، وقار اور طرزِ فکر سے بھی منتقل ہوتا ہے۔ اسی تسلسل میں مولانا قاری ادریس ہوشیار پوری رحمہ اللہ کے ادارے جامعہ دار العلوم رحیمیہ پیر کالونی میں حاضری کا موقع ملا۔ قلیل عرصے میں اس ادارے کا اپنی ایک پہچان بنالینا اس امر کا ثبوت تھا کہ اخلاص، نظم اور تعلیمی سنجیدگی مل کر بڑے نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ ناظمِ تعلیمات مولانا عبدالستار نے اساتذۂ کرام کی ایک مجلس منعقد کر دی، جس سے کم وقت میں زیادہ استفادہ ممکن ہوا۔ تعلیمی ماحول اور ادارتی ہم آہنگی واقعی قابلِ دید تھی۔ مولانا قاری ادریس ہوشیار پوری رحمہ اللہ ان نادر شیوخ میں سے تھے جو بخاری شریف کی تدریس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی کلاس بھی پڑھاتے تھے۔ ان کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے بیانات کی کیسٹیں سن کر انہیں تحریری صورت دی اور بعد ازاں انہیں ”خطباتِ حکیم الاسلام“ کے نام سے شائع کیا۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے یہ ایمان افروز خطبات، جن میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کو حکیمانہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، مطالعہ کرنے والے کے قلب ونظر کو بالیدگی اور فکر وروح کو تازگی بخشتے ہیں۔ اس عظیم ذخیرے کو امت کے سامنے لانے میں مولانا قاری ادریس ہوشیار پوری رحمہ اللہ کا جو احسان ہے، اہلِ نظر اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

مولانا کریم بخش رحمہ اللہ کے ادارے جامعہ عمر بن خطاب کی حاضری بھی نہایت خوشگوار رہی۔ ان کے

صاحبزادے مولانا محمد وقاص کریم صاحب اپنے والد کے لگائے ہوئے اس گلشن کو سنوارنے اور ترقی کے سفر میں آگے بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ عمدہ موضوعات پر مشتمل کتب کی نشر و اشاعت کا ذوق بھی نمایاں ہے۔ ادارے کی محدود جگہ میں طلبہ کی کثیر تعداد اس کی دینی مقبولیت اور عوامی اعتماد کی روشن دلیل ہے۔ وسائل کی قلت کے باوجود عزم، محنت اور مقصد سے وابستگی یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ دینی کام کا اصل سرمایہ عمارتیں نہیں بلکہ نیت اور کردار ہوتے ہیں۔

یہ تمام مشاہدات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اگر دینی ادارے اکابر کی فکر و بصیرت اور اخلاصِ عمل کو ساتھ لے کر چلیں تو نہ صرف ان کی بقا ممکن ہے بلکہ وہ معاشرے میں ایک مثبت اور مؤثر کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ آج کی ضرورت بھی اسی توازن، اسی شعور اور اسی فکری جرات کی ہے۔

اسی بین الصوبائی تبادلے کے دوران ایک ایسا دل سوز اور المناک واقعہ پیش آیا جس نے اس پورے سفر پر غم کی ایک گہری لکیر کھینچ دی۔ دار العلوم کراچی سے نگرانی کی غرض سے تشریف لانے والے مولانا حسین قاسم رحمہ اللہ دار العلوم کبیر والہ پہنچے، مگر اچانک طبیعت کی خرابی کے باعث ملتان منتقل کیے گئے، جہاں وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ بظاہر وہ ایک اجنبی شہر میں وفات پا گئے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اجنبی لوگوں میں ہرگز نہیں تھے۔ پورا ملتان، کبیر والہ اور خصوصاً جامعہ خیر المدارس ان کے غم میں ڈوب گیا۔ تمام مدارس کے طلبہ نے یہ خبر نہایت رنج والم سے سنی۔

جامعہ خیر المدارس میں ان کا جنازہ ادا ہوا۔ فضا پر سناٹا طاری تھا، آنکھیں اشک بار اور دل بوجھل تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب طلبہ نے امتحانی تیاری چھوڑ دی، کتابیں بند ہو گئیں اور سب نم آنکھوں کے ساتھ اس مردِ درویش کے جنازے میں شریک ہوئے، جو زندگی بھر علوم نبوت کی خدمت میں مصروف رہا۔ وہ جسدِ خاکی آج خاموشی سے کراچی روانہ ہو رہا تھا، مگر ہر آنکھ یہ گواہی دے رہی تھی کہ یہ محض ایک فرد نہیں بلکہ ایک مشن تھا جو رخصت ہوا۔

مولانا حسین قاسم رحمہ اللہ نے دینی علوم کے استحکام، نظم اور خدمت کے لیے اپنی جان نچھاور کر دی۔ وہ علمِ نبوت کے سچے خادم تھے، جنہوں نے خاموشی کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھائی اور وفا کی انتہا یہ تھی کہ اسی راہ میں جان بھی قربان کر دی۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو اور زیادہ واضح کر گیا کہ بین الصوبائی تبادلے کا نظام صرف انتظامی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ اخلاص، قربانی، اتحاد اور علمی رفاقت کی زندہ علامت ہے۔ یہی قربانیاں دینی علوم کو زندہ رکھتی ہیں اور یہی چراغ آنے والی نسلوں کے لیے راہیں روشن کرتے ہیں۔ مولانا حسین قاسم رحمہ اللہ رخصت ہو گئے، مگر ان کی خدمت، اخلاص اور قربانی وفاق المدارس کے نظام میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

شخصیت

زمزمہ خوانِ زبانِ عربی،عندلیبِ دارالعلوم

استاذِ محترم مولانا حسین قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا عبدالوہاب سلطان

(استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی)

استاذ جی مولانا حسین قاسم صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کا تصور آتے ہی ذہن میں اپنے کام اور کاز کے ساتھ والہانہ لگن کا ایک جذبہء بے تاب مجسم ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ تدریس وتقریر کے وقت آپ کا سراپا اور آپ کی بدن بولی دیکھ کر لگتا تھا گویا اپنے افکار واحساسات کو سامنے والے کے قلب وروح میں انڈیل دینے کے لئے بے تاب ہیں۔ دراصل استاذ جی نے عربی اور عربیت پر اپنی فداکاری کا سودا کرلیا تھا۔ ایک موقع پر کہا بھی تھا کہ میں روضہ رسول عربی (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر آخر دم تک عربیت کی خدمت کا عزم لے کر آیا ہوں۔

مدارس کی فضاؤں سے ہوتے ہوئے اب عوامی حلقوں میں بھی آپ کے جذبہ نے اپنے کرشمے دکھانے شروع کردیئے تھے۔ دارالعلوم میں ''النادی العربی'' کی سطح پر سالہا سال کی جہد مسلسل کے بعد ''مؤسسۃ احیاء اللغۃ العربیۃ'' کے اسٹیج سے بھی آپ کی خدمات کا دائرہ وطن عزیز کے دور دراز شہروں اور بستیوں کے مدارس تک براہ راست پھیل گیا تھا۔ آپ کی حیات اسی تگ وتاز مسلسل سے عبارت تھی کہ عربیت کی محبت پر ملنے والے کو گھول کر پلائیں۔ جہاں جاتے علومِ عربیت کی شاہ کلید: عربی زبان کی زمزمہ خوانی کرتے ۔

استاذ جی افتادِ طبع میں نہایت دھیمے مگر مستقل مزاج تھے۔ پچیس تیس سال سے، آپ کے فیض کی آب یاری سے، عربی زبان وادب کی وہ فصلیں لہلہائیں کہ آج پاکستان کے گوشے گوشے میں، آپ کے تراشیدہ پھول دبستانِ عربیت کی رونق بنے ہوئے ہیں۔ بہت سوں کو بندہ ذاتی طور جانتا بھی ہے جن کی مختلف مدارس میں استاذ جی نے اپنی ذاتی معرفت سے تشکیل کی تھی۔ یہ سب ان شاءاللہ آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

آپ روٹین کی تدریس پر کبھی قانع نہ ہوئے، ہر طالبِ علم درسگاہ سے باہر بھی آپ کی نگاہِ التفات میں، کسی نہ کسی درجے میں شریکِ فیض ہوتا تھا۔

سنجیدہ اور محنتی طلبہ آپ کے حلقۂ محبت میں ویسے بھی چلی آتے؛ اور آپ کے سنگ النادی العربی کی سرگرمیوں کا حصہ بنتے، لیکن وہ کم آمیز، جھجک آشنا مزاج کے طلبہ بھی، جو اساتذہ کی ملاقاتوں سے گریزاں رہتے ہیں، وہ بھی آپ

کی نگاہِ التفات میں رہتے تھے، ان کے نام یاد رکھتے تھے، اپنے ہم درس ایسے کئی لااُبالی مزاج کے دوستوں کو دیکھا، آپ کی زبان سے اپنے نام کی صدا سن کر، اپنائیت کے حصار میں آجاتے۔ یہی طلبہ، رسمی فراغت کے بعد جب مادرِ علمی کی دہلیز پر لوٹتے، تو دیگر اساتذہ کے ہجوم میں بھی استاذ جی سے بھی بطورِ خاص ملنے کی جستجو رکھتے۔ آپ کا بھی یہ خاصہ تھا کہ جہاں زمانۂ فراغت کے بعد، شب و روز کے جھمیلوں میں، سینکڑوں طلبہ کے نام تو کجا، چہرے بھی محو ہو جاتے ہیں؛ وہاں آپ تقریباً ہر طالبِ علم کو نام سے یاد رکھتے، یہ بھی بیشتر ذہن میں محفوظ ہوتا کہ وہ کس کھیپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اکثر و بیشتر کسی نہ کسی شاگرد سے وابستہ کوئی واقعہ یا لطیفہ بھی یاد رہتا، جو ایسے مواقع پر دہرا کر، محبت کی چنگاری کو فروزاں کرتا۔

یوں محسوس ہوتا تھا کہ استاذ جی کا خمیر ہی عربی محبت سے اٹھا ہے۔ دنیا جہاں کی کوئی چیز، تب تک دل کو نہ بھاتی، جب تک اس پر عربی زبان کی مہر ثبت نہ ہو۔ مزاج میں وہ طبعی حساسیت بھی ودیعت تھی جو عموماً ذہین اذہان کا خاصہ ہوتی ہے؛ اسی لیے کبھی کسی بات پر جلد رنجیدہ خاطر ہو جاتے، تو کبھی ایک معمولی سی دلربا ادا دل کے سب حجاب چاک کر دیتی۔ یہ ادائے دلربا عموماً عربی علیک سلیک کے دو فاتحانہ جملے ہوتے، جو استاذ جی کے دل کو فتح کرنے کے کام آتے تھے۔ عربی کے دو تین فصیح جملے، ناراضگی کی بڑی سے بڑی عمارت کو زمین بوس کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ قریبی طلبہ کے ساتھ اگر کبھی خلافِ معمول عربی کے بجائے اردو میں پہل کرتے، تو دل میں اندیشہ سر اٹھاتا کہ شاید کسی بات پر خفا ہیں۔ نئے طلبہ داخلہ یا رہائش کے سلسلے میں آتے، تو کسی قدیم فاضل کی سرگوشی ساتھ ہوتی:

''عربی میں بات کر کے درخواست پیش کرنا، ان شاءاللہ کام بن جائے گا۔''

اور استاذ جی ضابطے کے دائرے میں رہتے ہوئے، ہر ممکن گنجائش کو روا رکھتے۔

عربی سیکھنے کی وہ انہونی سی تڑپ، عمر کے آخری مدارج میں بھی مضطرب رکھتی تھی۔ آتے جاتے راستوں میں بارہا دیکھا گیا کہ جیبی نوٹ بک میں کوئی عربی جملہ یا شعر ثبت ہے، اور دل و دماغ میں اس کے اتارنے کی مشق جاری ہے۔ کبھی ہم سفر یا برسرِ راہ ملنے والے طلبہ کو بھی شریکِ ذوق کر لیتے، زیرِ نظر جملے کی عربیت اور شیرینی سے محظوظ ہونے کی دعوت دیتے۔

یاد ہے، ایک بار عمرہ کے سفر سے تشریف لائے تو جیب سے اوسط حجم کی ایک کاپی نکالی؛ اس میں حرمین شریفین اور سعودی عرب کے مختلف لافتات و مقامات سے چنے ہوئے فصیح عربی جملے اور اعلانات درج تھے۔ فرمایا:

''یہ بڑی بلیغ تعبیرات ہیں؛ جامعہ کے ماحول کو عربیانے میں کام آئیں گے، ان شاءاللہ۔''

یہی ذوقِ مسلسل ایک عملی صورت میں ڈھلا، جامعہ کے تمام شعبوں کے نام اور متعلقہ اعلانات کے عربی

متبادلات تیار کیے، حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم سے منظوری لے کر آویزاں کرائے۔ دارالاقامہ سے لے کر دفاتر تک، اور مطعم و مطبخ جیسے مقامات تک ہر جگہ یہ فصیح عربی جملے، استاذ جی کی اس خاموش مگر ہمہ گیر ریاضت کی روشن یادگار بن گئے۔

قریبی اعزہ نے بتایا بچپن میں جب سے ارکان سے پاکستان ہجرت کی تھی، طبیعت میں نیکی و پارسائی کا رجحان تھا۔ پندرہ سال کے لگ بھگ عمر تھی جب پاکستان آئے تھے۔ تب سے ہی سحر کی پہلی صدا کے ساتھ بیدار ہو کر معمولاتِ حیات میں جُت جانا، ان کی زندگی کا مستقل معمول بن گیا تھا۔ یہ کوئی وقتی کیف یا عارضی شوق نہ تھا، بلکہ عادت بن کر مزاج کا حصہ بن گیا تھا۔ فجر سے قبل دفتر کی دہلیز پر حاضری، نگرانی کے معمولات، اور پھر دالارقامہ میں اپنے دفتر میں مطالعے کی خاموش نشست۔۔۔، دن بھر وقت سے پہلے ہی متعلقہ درسگاہ کے سامنے نمودار ہونا، نمازوں کے اوقات میں مسجد میں پابندی کے ساتھ موجود رہنا، سب نظریں آپ کی زندگی کے اس معمول کی عادی ہو گئی تھیں، وقت ان کے قدموں کی چاپ پہچانتا تھا۔

دارالاقامہ میں آپ کا دفتر القسم العربی کے خوشہ چینوں کی آماجگاہ بھی بن گیا تھا، وہ قرینے سے آراستہ دفتر، آج بھی القسم العربی کے بے شمار فضلا کی یادوں میں زندہ ہے۔ ماہانہ و سالانہ عربی انجمنوں میں، استاذ جی کی معیت میں حسنِ انتظام اور ترتیبِ کار کا وہ ہنر سیکھنے کو ملتا تھا، جو کسی درس نامے میں نہیں لکھا جاتا۔ یہ تربیت غیر شعوری تھی، مگر اثر رکھتی تھی، وراسی سنجیدہ فضا میں، ان کے برجستہ جملے اور لطیف اشارات، انجمن طلبائے عربی کے وقار میں مٹھاس گھول دیتے تھے۔

یہ شوق انہیں اپنے اساتذہ سے ملا ہی تھا، ”وہ کوہ کن کی بات“ کی شاہکار کتاب کا بھی استاذ جی اس سلسلے میں بہت تذکرہ کرتے، برصغیر کے امام لغت علامہ وحید الزمان کیرانوی کی کرشماتی شخصیت کا یہ ایک نہایت دلآویز نقش ہے، جو ان کے شاگرد رشید اور عربی کے صاحبِ طرز ادیب اور قلم کار مولانا نور عالم امینی نے بڑی خوبصورتی سے کھینچا ہے، کتاب میں مولانا امینی کے بہار آفریں قلم نے دارالعلوم دیوبند میں عربی تعلیم و تعلم کی سرگرمیوں اور ان کے روحِ رواں علامہ کیرانوی کو اپنے اچھوتے اندازِ تربیت کے ساتھ گویا چلتے پھرتے ہوئے دکھایا ہے۔ استاذ جی اس طرزِ تربیت کو پیش نظر رکھ کر درالعلوم میں النادی العربی کے ذریعے بھی عربیت کے فروغ کے لئے کوشاں تھے۔ ہم بہت سے طلبہ کو بھی استاذ جی نے یہ کتاب مطالعہ کے لئے دی تھی، کتاب کی شگفتگی کہ اپنے سحر میں جکڑ لیتی اور ایک دو راتوں میں نمٹائے بغیر بے تابی ختم نہیں ہوتی۔

عربیت ان کے لیے نہ محض زبان تھی، نہ درس کا ایک حصہ؛ وہ اسے اپنا شعار و دِثار بنائے ہوئے تھے۔ کسی صلے،

کسی ستائش، کسی اعترافِ عام کی آرزو دل میں لائے بغیر، وہ اس کارِشوق میں مصروف رہے اور صبح وشام کی یہی مشق ان کی اصل راحتِ طبع بن گئی تھی۔ آخری عربی انجمن کے موقع پر ایک طرف استاذ جی کے لیے ایک بڑے اور مشہور ریسٹورنٹ میں اعلیٰ سطحی کوئی دعوت کا انتظام تھا، اسی شب النادی العربی کے عربی حفلہ میں شرکت کی خاطر مگر اس دعوت میں لذتِ کام ودہن سے معذرت کی اور انجمن کی رونق بنے رہے۔

النادی العربی ایک طرف آپ کی امنگوں کا مرکز تھا، دوسری طرف یہ طلبہ کی تربیت وتمرین کی جولان گاہ بھی، اس کی پوری داستان آپ نے ''داستانِ شوق'' کے نام سے مرتب بھی فرمائی ہے، اللہ کرے کسی طرح اس کی اشاعت کا بندوبست ہوسکے۔ کئی کتابی مجلّات کا اجراء طلبہ سے کرایا۔ ''الاشراق'' کے نام سے عرصہ تک کتابی مجلہ شائع ہوتا رہا، اس کے پرانے وقیع شمارے آج بھی دارالعلوم کی لائبریری کی زینت ہیں، ماہانہ بنیادوں پر تقریباً ہر عربی درسگاہ سے آپ کے اشراف میں بلا مبالغہ سینکڑوں حائطی "جداریے" (Wall magzines) شائع ہوئے ہوں گے، انتقال پر ملال کے وقت بھی دارالاقامہ کے سامنے آپ ہی کے اشراف میں صادر شدہ طلبائے تخصص فی الدعوہ کا ایک جداریہ آویزاں تھا۔۔ ع

مر بھی جاؤں تو کیا لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، میرے ہونے کی گواہی دیں گے

سال میں کئی نوع کے تحریری، شعری اور خطابی مسابقتی سلسلے منعقد کرواکر دارالعلوم کی عربی فضا کو مرتعش رکھتے تھے، دیگر اساتذہ کرام بھی اس سلسلہ میں اپنا حصہ ملاتے، تو اس کی بدولت اب بھی ہر وقت دارالعلوم کی درسی فضا میں عربیت کی چہل پہل محسوس ہوتی ہے۔ مجھ جیسے کئی طلبہ تھے جو ان انجمنوں اور مسابقتی سلسلوں سے ہی تحریک پاکر کچھ لکھنے یا کر گذرنے کا موقع پاتے تھے، بیسیوں مضامین، مقالات ہوں گے جو استاذ جی کے قائم کردہ انہی سلسلوں کا حصہ بن کر لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں سے بیشتر کام ایسے تھے جو استاذ جی کسی انتظامی مسئولیت، یا صلہ ستائش سے بے نیاز ہوکر کرتے تھے، کسی انجمن کے دوران بڑے حضرات اساتذہ کرام کی زبان سے ان کاوشوں کا ذکرِ خیر سنتے تو شکر وامتنان کے جذبات سے سرشار ہوجاتے اور تسلی پاتے کہ الحمدللہ اکابر کے مزاج ومذاق کے مطابق محنت ہورہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا عربی کی ترویج کے لئے یہی مشق مسلسل آپ کی غذا اور خوراک ہے، بہت سے نئے ساتھی تدریس میں آکر اس کام میں استاذ جی کے معاون بن گئے تھے، استاذ جی کی سرپرستی میں وہ یہ کام انجام دینے لگے تھے، استاذ جی مگر بنفس نفیس پھر بھی شریک رہتے کہ یہی کدوکاش آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ اپنے آرام کے اوقات میں بھی، شوقین طلبہ کے لئے منفلوطی کی ''النظرات'' یا علامہ ندوی کی

’’ماذاخسر العالم‘‘ کادرسی مذاکرہ رکھتے۔

کسی چھوٹے مدرسہ میں عربی کا ماحول سازگار بنانا چنداں مشکل نہیں ہوتا، دارالعلوم ایک چھوٹی بستی ہے، ہر ہر شعبہ ایک مستقل ادارہ کی مانند ہے، دارالاقامہ کا ہر مسکن ایک نگری ہے، آپ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہتے کہ کسی طرح دارالعلوم کے ہر ہر گوشے سے عربی زبان ہی کی صدا آئے۔ متنوع الجہات والآراء ادارہ جاتی سلسلوں کے بیچ ایسی کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کارے دارد تھا۔ درسگاہوں میں ’’القسم العربی‘‘ کی سطح پر سالہا سال سے عربی میں درس و تدریس کا نظم قائم ہوا تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ جب تک طلبہ خارجی مقامات یہاں تک کہ اپنی رہائش گاہوں، میں بھی عربیت کے ماحول کو قائم نہیں کریں گے، یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی، عرصہ سے تمنا تھی کہ دارالاقامہ میں بھی کم از کم عربی کے طلبہ کا مستقل نظم قائم رہے۔ بالآخر جامعہ میں ’’لجنۃ لغۃ القرآن‘‘ کی طرف سے آپ کے پیش کردہ عملی خاکہ کی افادیت کو دیکھ کر اکابر جامعہ نے اس کی بھی منظوری عطا فرما دی تھی۔

درس میں لہجہ دھیما اور گفتگو مرتب نکات کی شکل میں اتنی منظم ہوتی کہ طلبہ بآسانی قلمبند کر سکتے تھے۔

عربی زبان کی تعلیم کے لئے درس نظامی کی درسیاتی ادبی کتب ’’نفحۃ العرب، دیوان المتنبی، حماسہ اور دیگر فنون کی کتب وغیرہ کو لسانیاتی نقطہ نظر سے بھی پڑھنے پڑھانے پر بہت زور دیتے۔ متنبی اور حماسہ کے اشعار کی تشریح کے ساتھ مختلف الفاظ کے جدید استعمال کی طرف متوجہ کرتے، مختلف جملوں میں ان الفاظ کو برت کر سمجھاتے کہ ان درسی کتابوں سے بھی عربی زبان کی تقریری و تحریری صلاحیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ بہت سے عربی جملے استاذ جی کے تکیہ زبان رہتے، ایسے بہت سے طلبہ کو دیکھا جن کو کسی وجہ سے درس میں انسیت محسوس نہ ہوتی لیکن استاذ جی کے یہ جملے بھی غیر شعوری طور پر ان کے حافظوں میں ایسے محبوس ہو گئے تھے کہ جب عربی میں لکھتے یا بولنے پر آتے تو استاذ جی سے شنیدہ یہی تعبیرات ان کی زبان پر آجاتیں۔ بہت سے طلبہ کو استاذ جی کے اس اسلوب کی قدردانی تب ہونے لگتی جب وہ خود کارِ تدریس سے وابستہ ہوتے اور عربی میں درس و تدریس، یا تحریر و تقریر سے واسطہ پڑتا، تب بجا طور اس کا اعتراف بھی کرتے۔

آپ کی قابل رشک ادا انضباط اوقات تھی، کہا جائے کہ آپ کے معمولات دیکھ کر گھڑی کی سوئیوں کو سیدھا کیا جاسکتا تھا، تو چنداں مبالغہ نہ ہوگا۔ تین چار سال مسلسل آپ سے متفرق کتابیں پڑھنے کے علاوہ، دس سال سے زیادہ عرصہ آپ کے ساتھ ایک فضا میں گذرا ہے، یاد نہیں کہ کبھی ناغہ تو کجا، ضابطہ کے وقت سے کوئی تاخیر کی ہو۔ دیکھنے والوں کے بقول یہ آپ کا سالہا سال کا معمول تھا۔ پابندی اوقات کی یہ ادا عبادات وغیرہ میں تو تھی ہی، عام معمول کی میٹنگز میں بھی استاذ جی طے شدہ وقت پر جائے ملاقات پر موجود پائے جاتے۔ اسی ایک ادائے استقامت

کو آپ کی کرامت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ الاستقامة فوق الف کرامة۔

زہد و درویشی دینی مدارس کے مدرسین کا عمومی شعار ہوتی ہے، یہاں بھی معاشی حوصلہ مندیوں کا گذر نہیں ہوتا تھا، بارہا دوران گفتگو کہتے سنا: "کون ہوگا جو محض تنخواہ کے لیے پڑھانے آتا ہوگا؟" جیسے آپ کی نظر میں تنخواہ کے لیے نہ پڑھانا کسی بھی مدرس کے حق میں ایک بدیہی سی حقیقت تھی۔ آج کی مادیت زدہ فضا میں جہاں ہر سُو دنیاوی طالع آزمائیوں کی باتیں زبانوں پر رہتی ہیں، کبھی یاد نہیں ہے کہ استاذ جی کے انداز و ادا سے مادی ترقیات کی خواہش مترشح ہوتی محسوس ہوئی ہو نا ہی کسی اہلِ جاہ و دنیا سے اشرافِ نفس کو گوارا رکھتے۔ جتنا نصیب ہوتا تھا اسی پر قناعت کے ساتھ اس طرح گذر بسر کرتے کہ ہر ضروری مصرف کے لئے انتظامی رویہ کے ساتھ پس انداز رکھتے۔

بڑوں کی طرف سے مفوضہ ذمہ داریوں کے معاملے میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے، اسی آخری واقعہ میں اس کی جھلک دیکھ لیجئے، وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں بطور نگران اعلی مسئولیت تفویض ہوئی تھی، پنجاب کا سفر درپیش تھا، جاتے جاتے سندھ کے ایک مدرسہ میں عربی کے ایک پروگرام کی سرپرستی فرمائی، جب احباب نے بوجہ علالت آگے سفر سے منع کیا، کہنے لگے: بڑوں نے اعتماد کیا ہے، اس لئے جانا ہوگا۔ کسے معلوم تھا کہ راہِ علم کا یہ ریاضت بھرا سفر، سفرِ آخرت بھی ثابت ہوگا۔

عالمِ باعمل اور بھلا کیسے ہوگا، اِس استقامت، امانت، دیانت کے ساتھ اپنی فرائض دینی و منصبی کو بجالاتے ہوئے اپنی زندگی بِتائی، بھرپور علمی اور تدریسی زندگی کے ساتھ ساتھ عہدِ طالبِ علمی سے ہی پہلے حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی کی صحبتِ بافیض اٹھائی، پھر حضرت مولانا حکیم اختر رحمہ اللہ تعالی کے آستانہ تزکیہ و اصلاح پر زانوئے استرشاد تہہ کیا، تا آنکہ مولانا حکیم مظہر صاحب نے قبائے خلافت سے سرفراز فرمایا، اپنی اصلاحِ باطن کے لئے یہ سعی مسلسل آپ کی فکرِ آخرت کی غماز ہے۔ اس کی جھلک آپ کے انداز و ادا میں نظر آتی تھی، اپنے قول و فعل کی خود احتسابی کرتے اور اپنے تلامذہ و متعلقین کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، تلامذہ و متعلقین کے لباس پوشاک، انداز و ادا پر نظر رہتی، کوئی بات سلیقہ آداب کے خلاف محسوس کرتے تو زبانِ قال یا حال سے تنبیہ فرماتے۔ ذوق و مزاج کا اختلاف فطری شے ہے، بشری خامیوں سے بھی کوئی فردِ بشر مبرا نہیں، کمال مگر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و رضامندی کے کاموں میں اپنی بھرپور استطاعت کو بروئے کار لائے۔ یہی چیز استاذ جی کی انفرادی اور تدریسی زندگی میں نظر آتی ہے۔

چار سے پانچ فنی کتابوں کی تدریس پر وقت آپ کے سپرد رہتی، جلالین، حماسہ، توضیح و تلویح جیسی مغلق کتابوں کی تدریس کے ساتھ عربیت کی ترویج کے لیے اندورن و بیرون جامعہ کئی سرگرمیاں بھی نبھاتے۔

بندہ چند ماہ قبل جامعہ فاروقیہ فیز ٹو میں ایک عربی مسابقہ کے سلسلہ میں استاذ جی کے ساتھ شریکِ سفر تھا، دو تین گھنٹے شب کو منصفی کے فرائض انجام دیئے، واپسی پر جہاں ہم سب تھکن کی وجہ سے گاڑی کی سیٹ پر نیم دراز ہوئے، آپ کو دیکھا کہ اسکرین پر بغور کسی کتاب کے مطالعہ میں محو ہیں، یہ توضیح وتلویح کے سبق کی تیاری کر رہے تھے۔ تدریسی زندگی میں یہ مطالعہ کا اہتمام اور عین وقت پر کامل انضباط کے ساتھ حاضری، مکمل گھنٹہ کے دوران آخر تک درسگاہ کو وقت دینا۔۔۔ آپ کا تقریباً عمر بھر کا معمول رہا۔

مزاج میں سنجیدگی کے ساتھ شگفتگی بھی پائی تھی۔ کچھ طویل اسفار میں استاذ جی کی معیت حاصل رہی۔ استاذ جی کی شفقت اور شگفتگی نے سفر کے کسی مرحلہ پر اکتاہٹ کا احساس نہیں ہونے دیا، یہ کئی دوسرے ساتھیوں کا بھی تجربہ رہا۔ اندرون سندھ کے ایک مدرسہ نے استاذ جی کو دعوت دی تھی کہ اپنے ساتھ القسم العربی کے کچھ طلبہ کو لیکر آئیں تاکہ وہاں کے عربی انجمن کا حصہ بنیں، دورانِ سفر ایک تحریر زیر نظر تھی، بندہ اور مولانا سید قدرت اللہ صاحب (جواب دارالعلوم کے استاذ ہیں) کو بھی پڑھنے کے لئے دی، تحریر میں عربی زبان کے ساتھ عوام الناس کے روحانی وابستگی پر بڑی دلچسپ پیرائے میں گفتگو کی گئی تھی، متعلقہ مدرسہ کے عربی انجمن میں ہمارا ''حوار'' استاذ جی کے بیان سے پہلے رکھا گیا تھا، بندہ نے مولانا سید قدرت اللہ کے ساتھ اپنے حوار میں وہیں باتیں بھی دہرائیں جو اس تحریر میں برسرِ راہ پڑھنے کو ملی تھیں، یہ خیال نہیں تھا کہ استاذ جی اپنے آنے والے بیان کے لئے یہ ان باتوں کا مطالعہ فرما رہے تھے، استاذ جی بعد میں بہت دل لگی کے انداز میں کہتے: ''سرق كلمتي'' (اس نے میرے بیان کا موضوع چرالیا)۔

دو سال پہلے کی بات ہے، عربی زبان کے عالمی دن (18 دسمبر) کی مناسبت سے اسلام آباد میں اسلامک یونیورسٹی کے اندر عربی زبان سے متعلق ایک کانفرنس میں میں شرکت کے لئے ایک سفر میں کراچی سے روانگی ہوئی، بندہ کو بھی رفاقت میسر تھی، راستے میں ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ''انظر، شبيهي'' (دیکھئے، میری شبیہ ہے)، دیکھا تو ایک مولوی نما شخص چندہ جمع کرنے میں مصروف تھا، اور اسی فیصد تک پہلی نظر میں دیکھ کر یہی گمان گذرتا تھا کہ استاذ جی کی کوئی شبیہ جا رہی ہے، استاذ جی نے اس معصومیت سے یہ بات کی کہ بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی اور راستے بھر اس لطیفہ کا حظ اٹھاتے رہے۔

ذوقِ تالیف آپ کو اپنے استاذ علامہ حبیب اللہ مختار (رحمہ اللہ) کی طویل صحبت سے ملا تھا، علامہ کی نظرِ انتخاب نے آپ کو بھی ''کشف النقاب عما یقوله الترمذی وفی الباب'' کی تحقیقی کمیٹی میں علمی معاونت کے لیے چن لیا تھا۔ اس سلسلہ کی تیرھویں جلد آپ کے تحقیق آشنا قلم کی یادگار اور آپ کے علمی وحدیثی ذوق کی عکاس ہے۔

''نصر الخبیر شرح نحو میر''، ''تفسیر الجزء الثلاثین واعراب جزء عم''، ''تحفۃ المتعلمین''، ''ارشادات اکابر''، ''واہ کیا

پر کیف زندگی'' جیسے چھوٹے بڑے رسائل آپ کے آثر علمیہ ہیں، جو آپ کے فیض رسانی کے سلسلہ کو ان شاء اللہ تعالیٰ زندہ جاوید رکھیں گے۔ آپ کی مشہور عام کتاب ''الخطابۃ'' سے ایک پاکستان، ایران، افغانستان کے دینی مدارس کی ایک دنیا مستفید ہوئی ہے۔ آج بھی دینی مدارس کے عربی انجمنوں میں اس کتاب کے عربی خطبات کی گونج سنائی دیتی ہے۔

دیار ''اراکان'' (برما) سے ہجرت کر کے آنے والے پندرہ سالہ بے آسرا نوعمر نوجوان تھے، اجنبی شہر اور اجنبی راستوں کے اس مسافر نے گویا ناخنوں سے کرید کر کامرانی کی منزلیں تراش لی تھیں۔ ایسے شخص کو اہلِ عرب ''عصامی'' کہتے ہیں جو اپنی محنت ومشقت سے کامرانی کی منازل طے کرتا ہے۔

ابتداء دار العلوم کراچی میں خامسہ تک اول دوم پوزیشنوں کے ساتھ کامیابیاں حاصل کیں، پھر جامعہ بنوری ٹاؤن کے مشائخ سے کسب فیض کیا، 1993 میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ علامہ حبیب اللہ مختار کی وفات کے بعد اپنے مادر علمی دار العلوم کراچی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کیا۔ تقریباً پچیس سال (25) تک یہاں کی فضا میں اپنے علمی اور عملی یادگار مرتسم کئے۔ عندلیب دار العلوم بن کر عربی زبان وادب کا زمزمہ بلند کئے رکھا۔ یہیں 27 رجب 1447 / 17 جنوری 2026 کو جدید قبرستان کے ایک گوشے میں آسودہ خاک ہوئے۔ فاضل اولاد، تلامذہ ومحبین کی بڑی تعداد کو سوگوار چھوڑا۔ استاذ جی کی ناگہانی رحلت اور جدائی کے لمحات کا تذکرہ دہرانے کی تاب ہے نہ اس کی ضرورت، اتنی بات البتہ تسلی کی باعث ہے کہ زبانِ نبوت کے اس عاشقِ شیدا، اور تعلیم وتعلم کی راہ کے اس بے قرار مسافر کو ان شاء اللہ اب قرار آ گیا ہوگا۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے آپ کی خدمات اور درویشانہ زندگی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''آج اپنے دار العلوم کے ہر دلعزیز استاذ حضرت مولانا حسین قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نماز جنازہ پڑھنے اور اپنے ہاتھوں سے انہیں مٹی دیکر آخری منزل تک پہنچانے کا کٹھن فریضہ ادا کرتے ہوئے اس مرد درویش کے اخلاص اور حسن عمل پر رشک کے جذبات امڈ رہے تھے نام ونمود اور دنیا طلبی سے دور رہکر بے نام خدمات انجام دینے والے انسانوں کی اصل قیمت اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے امید اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ درجات عالیہ سے سرفراز ہوں اور انکے اہل وعیال اللہ تعالیٰ کی دستگیری کے سائے میں رہیں۔۔۔ آمین!۔''

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند کرے۔ ہمیں بھی آخرت کی تیاری کی فکر عطا فرمائے۔

نحسبه كذلك والله حسيبه، غفر الله له ورحمه ورفع درجاته ورزقه فراديس جنانه وألهم أهله وذويه الصبر الجميل وعافية الدارين.

مطالعہ کی میز سے

محمد احمد حافظ

انبیاء علیہم السلام ہر حال میں اولیاء سے افضل ہیں:

اگر اولیاء اللہ کے باطنی اور ظاہری احوال وقلبی واردات برکات، ریاضت ومجاہدہ۔ سب کے سب کو ایک پلے پر رکھو، اور نبی نے ایک قدم جو راہِ صدق میں رکھا ہے اس کے اخلاص کو ایک پلے پر رکھو تو نبی کا پلہ اتنا جھک جائے گا کہ ولی کا پلہ بالکل بے وزن نظر آئے گا۔

ولی اللہ راہِ طلب میں آتے ہیں، چلتے ہیں تو ہزار مشکل سے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام بغیر جدوجہد فدا رسیدہ ہوجاتے ہیں اور مطلوب پالیتے ہیں۔ انبیاء دعوتِ خلق میں مشغول ہوتے ہیں۔ مشرک موحد، کافر مومن بنتا ہے۔ اگر دنیا اولیاء اللہ سے بھری پڑی ہو اور نبی عالم میں ایک ہی جب بھی ولیوں کی تمام فضیلتیں ایک جا جمع ہو کر بھی نبی کے فضل کی برابری نہیں کرسکتیں۔ (مکتوبات صدی حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ، ص:۱۶۱)

تدریس کا ایک اہم گر:

مدرس کو چاہیے کہ کتاب کے لفظوں کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کی تقریر پہلے اپنے ذہن میں کرلے، پھر اس کو کم سے کم عبارت لیکن واضح سے واضح تعبیر میں ادا کرے۔ پھر طلبہ کو لفظوں سے سمجھادے، تعبیر میں وضوحِ معنی کا خیال رکھے۔ کتاب کی قید لفظی میں نہ رہے۔

(مکتوب مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ، مشاہیر ہند کے علمی مراسلے۔ مرتبہ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی)

قرآن مجید سے استفادے کے لیے دو معاون امور:

”میرے قرآنِ مجید کے مطالعہ میں مولانا احمد علی صاحب رح کے مجلس درس کا فیض و برکت شامل ہے۔ درسی و متداول اور بعض غیر متداول ضخیم تفسیریں، لفظ بہ لفظ دیکھیں، لیکن اصل فائدہ متنِ قرآن کے سادہ اور بار بار کے پڑھنے سے ہوا۔ اس سلسلہ میں اس کا اظہار ضروری ہے کہ قرآن مجید سے اپنا حصہ لینے میں ضروری علمی ولسانی واقفیت کے بعد دو چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں:

1- ایک علومِ نبوت ومزاجِ نبوت سے مناسبت رکھنے والے اشخاص کی صحبت جن کی معاشرت وزندگی ان

خُلُقہ القرآن ۔ کا پرتو ہو اور جنھوں نے اُنا القرآن الناطق (حضرت علی رض کا مقولہ) کہنے والے کی قلبی و ذوقی وراثت کا حصہ پایا ہو۔ ان حضرات کے علوم کی تازگی و شگفتگی، بے آمیزی اور نکھار اور علم کی وسعت و گہرائی سے قرآن مجید کے الفاظ کی وسعت و عمق کا ایک قیاسی اندازہ ہوتا ہے۔ کئی الفاظ جو"لسان العرب" اور"مفردات غریب القرآن" سے اور کئی آیات جو زمخشری رح کی ادبی تفسیر"کشاف"، امام رازی رح کی عقلی تفسیر"مفاتیح الغیب" اور ابنِ کثیر رح کی نقلی تفسیر سے حل نہیں ہوتیں، وہاں باتوں باتوں میں حل ہو جاتی ہیں۔ الفاظ و معانی میں نئی وسعت اور قوت نظر آتی ہے جو پہلے نظر سے اوجھل تھی۔

2- دوسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن راستوں پر چلے ہیں، ان پر چلنے سے قرآن مجید کھلتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی جو کیفیات بیان کی گئی ہیں ان کا احساس ہوتا ہے۔ قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جو جواب دیے ہیں، کان وہی آوازیں سنتے ہیں اور آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں۔ جو اشکالات اور شبہات علمِ کلام کی کتابوں نے اور کتابی مطالعہ نے فرضی طریقہ پر پیدا کر دیے ہیں، وہ وہاں بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید کے سمجھنے کے یہ دو طبعی طریقے ہیں۔"[شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی (مرتب)، مقالہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مشمولہ"میری علمی اور مطالعاتی زندگی" ص:٧٦)

ہر بات کا جواب:

جب مولانا علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے سر میں سفید بال آنے لگے تو انہوں نے اہلیہ محترمہ سے فرمایا:

"یہ سفید بال چُن لیں"

اہلیہ محترمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

سفید بال چننے سے اور زیادہ نکل آتے ہیں اس لیے رہنے دیں۔ اس پر علامہ قاسمی نے برجستہ کہا:

اچھا پھر سیاہ بال ہی چُن لیا کریں تاکہ وہ زیادہ ہو جائیں۔ یہ سن کر علامہ قاسمی کی اہلیہ محترمہ نے ہنستے ہوئے کہا:

آپ لوگوں (مولویوں) کے پاس ہر بات کا جواب موجود ہوتا ہے! (سہ ماہی مہران میں چھپے مضمون سے ایک اقتباس)

سیکولرزم اسلام کی نقیض ہے:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام میں سیکولرزم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہر وہ فکر جو اپنی مبادیات وتطبیقات میں دینی نہ ہو وہ دین مخالف ہے۔ چنانچہ اسلام اور سیکولرزم دو ایسے نقیض ہیں جو کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے، اور ان کے درمیان کوئی

واسطہ نہیں۔(دکتور سفر الحوالی)

ترجمہ شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ:

شیخ الہند (حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ) کا معمول تھا کہ ترجمہ کا جو حصہ مکمل ہو جاتا اس کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ کے سامنے رکھتے، شاہ عبدالرحیم سے اس پر کھل کر گفتگو کرتے، بلکہ بحث ومباحثہ ہوتا۔حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے، بحث وتنقیح کے بعد ہی، ترجمہ کے اس حصے کو معتبر ومکمل سمجھا جاتا تھا۔یعنی وہ ترجمہ اور صفحات جو حضرت مولانا رائے پوری کے مطالعہ ونظر سے گزر جاتے تھے؛ شیخ الہند کی نگاہ میں پوری طرح قابل اعتماد ہو جاتے تھے،لیکن مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی حیات میں، ہندوستان میں شیخ الہند کے ہندوستان قیام کے وقت تک صرف سورہ توبہ تک کا ترجمہ ہوا تھا، اس لیے مولانا رائے پوری کی تصحیح ونظر ثانی سے صرف یہی ابتدائی حصہ آراستہ ہے، اس سے پہلے کہ ترجمہ کا عمل اور آگے بڑھتا، شیخ الہند سفر حج کے لیے روانہ ہو گئے، اور جب شیخ الہند اس طویل سفر اور مالٹا سے ہندوستان واپس پہنچے تو مولانا شاہ عبدالرحیم کی وفات ہو چکی تھی۔(بحوالہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا اصل مقدمہ ترجمہ قرآن مجید، مرتب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

مسئلہ کب پیدا ہوتا ہے؟

۱۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اپنی سوچ کو حق کا پیمانہ قرار دیا جائے، اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھا جائے، اپنے بول کو انمول باور کرایا جائے۔

۲۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اپنی سوچ کو دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کے لیے احقاق حق اور ابطال باطل، قرآن وسنت جیسے خوشنما نعروں کا استعمال کیا جائے۔ہر باطل فرقے کے پاس جو دلائل ہیں وہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔

۳۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مفروضات کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کی جائے۔محمود کا ہاتھ کاٹا جائے! کیوں؟ اس نے چوری کی ہے۔ظاہر ہے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا، مگر چوری ابھی ثابت نہیں ہوئی۔

۴۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب حالات کو بہانہ بنا کر کسی کی تغلیط کی جاتی ہے۔جیسے اغیار اسلام کو مطعون کرنے کے لیے مسلمانوں کے اعمال کو بطورِ ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔جیسے دینی تعلیم کی توہین کے لیے علماء کی ایک بڑی تعداد کی صورتِ حال کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۵۔مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اختلافی اُمور میں فریقِ مخالف پر فقرہ کسا جائے، اس کے جذبات کو

مجروح کیا جائے۔

۶۔سب سے بڑا مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ سب کچھ کرنے کے باوجود انسان کو اس کا احساس نہ ہو۔اس کا علاج سب سے بڑا مسئلہ ہے۔(مفاز شریف ندوی)

بازی اگرچہ لے نہ سکا،سر تو کھو سکا:

عشق ومحبت کا معاملہ بھی کچھ عجیب سا ہے،یہاں سارے پیمانے اُلٹ جاتے ہیں:

وعدہ خلافی؛دروغ گوئی،اذیت رسانی،دل گدازی،حتیٰ کہ خودکشی جو دین ودنیا کی تمام شرائع میں ناپسندیدہ ہیں، یہاں نہ صرف پسندیدہ ہیں،بلکہ ایک عاشق کے لیے وجہِ امتیاز اور باعث سرخ رُوئی ہیں۔یہ ایک عجیب سا جُوا ہے،جس میں جیتنے والا ہار جاتا ہے،اور ہارنے والا بامراد رہتا ہے۔سودا کی زبان سے خدا نے کتنی سچی بات کہلوادی ہے:

سودا! قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ لے نہ سکا، سر تو کھوسکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے رُوسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

بحوالہ:''وہ کوہ کن کی بات''مولانا نور عالم خلیل امینی رحمہ اللہ)

معلم کی مسلّم حیثیت:

ہر نظام تعلیم میں معلم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم میں روح کو۔استاذ کے بغیر مکتب یا مدرسہ ایک بے جان لاشہ ہے۔تعلیمی نظریات بدل رہے ہیں،نصاب اور طریقہ ہائے تعلیم میں انقلابی تبدیلیاں آرہی ہیں،لیکن

''جائے استاد خالی است''

کے مصداق کوئی چیز معلم کی جگہ نہ لے سکی۔اس کا مقام ہمیشہ برقرار رہا۔کسی زمانے میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکا۔اور نہ اس کی اہمیت میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس ہوئی۔حقیقت تو یہ ہے کہ مدرسے کی رونق اسی کے دم قدم سے ہے۔اس وقت تک نصاب بے معنی اور تعلیمی سرگرمیاں سعی بے حاصل ہیں جب تک استاد اپنی شخصیت کے سحر سے ان میں جان نہیں ڈال دیتا۔(غفران انجم،بحوالہ ترجمان دار العلوم جدید)